جلد سوم	ماہ رمضان وشوال سنہ ۳۶ مطابق جولائی سنہ ۱۸ء	عدد اول

مضامین

شذرات

الحمد للہ کہ سیرۃ نبوی جلد اول تمام وکمال چھپ گئی، نقشے بھی چھپکر آگئے، تین قسم کے کاغذون پر یہ جلد چھپی ہے، پہلی قسم ۵۰ پونڈ کے گلیز ڈ پیپر پر، دوسری قسم ۳۲ پونڈ کے آرٹ پیپر پر، اور تیسری قسم سفید بنگالی پیپر پر، تقطیع بڑی رہ گئی، یعنی تمدن عرب کا سائز ہے، کتاب اس حسن وصفائی کے ساتھ چھاپی گئی ہی کہ دعوی کیا جا سکتا ہے کہ تمام ہندوستان مین کوئی کتاب ابتک اس خوبی سے نہین چھپی ہے،

خوبی اور عمدگی کے لحاظ سے تو پہلی قسم بہتر ہے، لیکن پائداری اور مضبوطی کے لحاظ سے تیسری قسم ترجیح رکھتی ہے، قسم اول و دوم مین مخصوص مقامات مقدسہ کے چند فوٹو خاص ہندسی قاعدے کے مطابق سرکار بھوپال کے ایک لائق انجینیر کے ہاتھ کے بنائے ہوے ہین جنھون نے خود مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جاکر ہر چیز کو دیکھکر اور انجینیری قاعدے سے ناپکر اسکا سطحی خاکہ تیار کیا ہے، آخر مین عرب کا ایک نقشہ جو مصر کے خدیوی سفر کا نتیجہ ہے، بلاک کے ذریعہ سے چمڑے کے کاغذ پر چھپا ہوا لگایا گیا ہے،

کاغذ اور سامان طبع کی گرانی کے باعث لاگت زیادہ آئی ہے، صرف ایک جلد پر آٹھ ہزار روپیہ کے

قریب خرچ آیا ہے، تاہم عام افادہ کی غرض سے غیر معمولی قیمت نہین رکھی گئی، قیمتین حسب ذیل مقرر کیگئی ہین،

قسم اول مجلد (۱۵)، غیر مجلد (۱۳)، قسم دوم مجلد مع نقشہاے مقامات (۱۰)، غیر مجلد بلا نقشہ (۸) روپیہ

قسم سوم مجلد (۶)، غیر مجلد (۵)، عرب کا نقشہ ہر جلد مین ہوگا،

جن لوگون نے اپنا نام سیرۃ نبوی کے رجسٹر مین درج کرایا ہے، چار برس کے عرصہ مین اُنکے پتے اکثر بدل گئے ہونگے، اگر ان صاحبون کی نظر سے یہ سطرین گذرین تو اپنے موجودہ پتہ سے اطلاع دین، چونکہ بیک وقت بہت سی فرمائشین بھیجنی ہین، اسلئے عجلت کا تقاضا نہ کرین،

افسوس ہے کہ تاجران کتب کو زیادہ نسخے ہم نہین دیسکتے، خصوصاً قسم اول جسکے صرف ۱۰۰ نسخے ہین انکی فرمائشین تقریباً پوری ہین، کمیشن کی نسبت بھی ہمکو مجبوراً اعلان کرنا پڑتا ہے کہ ۲۰ فیصدی سے زیادہ دینا ناممکن ہے، محصول ذمہ خریدار ہوگا۔

ندوہ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ہمارے تعلیم یافتہ قدیم وجدید دونون فلسفون سے آگاہ ہون تاکہ موجودہ دور الحاد مین وہ علم اور مذہب کی تحقیقی خدمت انجام دیسکین، مولوی عبد الباری ندوی اسسٹنٹ پروفیسر دکن کالج پونہ اس معیار کی پوری مثال ہین، ابتدا سے آخر تک انھون نے ندوہ مین تعلیم پائی وہین انگریزی شروع کی، اور فراغت کے بعد کسی غرض دنیاوی کی آلائش کے بغیر انگریزی پڑہی، اور خاص فلسفہ کا تحقیقانہ مطالعہ اپنا نصب العین بنایا سات آٹھ سال کی محنت کے بعد قدیم فلسفہ دانی کے ساتھ یورپ کے جدید فلسفہ اور اسکے مختلف اسکولون پر اس درجہ عبور حاصل کیا کہ (بقول مولانا حبیب الرحمن خان شروانی صدر اجلاس ندوہ ناگپور) ہمارے گریجویٹ بھی بہت کم اس رتبہ کو پہنچ سکے نواب عماد الملک بلگرامی نے حیدرآباد کانفرنس کے خطبۂ صدارت مین صرف انکے ایک دو مضمون پڑھکر انکی حوصلہ افزا الفاظ کے ساتھ ستائش فرمائی، اب اپنی سلسلۂ تصنیفات کی پہلی قسط وہ ملک مین "مبادی علم انسانی" کے نام سے پیش کرتے ہین،

مقالات

ہندوؤن کی علمی و تعلیمی ترقی

مین

مسلمانون کی کوششین

(۳)

آج کی بزم علمی کا افتتاح ایک فرنچ مورخ کی تقریر سے ہوتا ہے "تمدن ہند" کا مصنف موسیو لیبان اپنی کتاب کے تیسرے باب مین ہندوؤن کے علوم وفنون پر حسب ذیل تنقید کرتا ہے:-

"ہم نے تمدن عرب مین جتنے باب علوم وفنون پر لکھے ہین، انکی ترتیب اس کتاب مین نہین ہوسکتی، چونکہ عربون نے یونان وروم کے قدیم علمی ذخیرہ کو خود بہت ترقی دی، اور اسکے بعد اسکو یورپ کے دار العلومون تک پہنچایا، اسلئے ہمین انکے زمانہ حکومت کی علمی ترقیون مین ایک خاص دلچسپی تھی، اور اس وجہ سے ان ترقیون کا بیان بھی تفصیل سے کیا گیا تھا، ہندوستان کے علوم کی یہ حالت نہین ہے، برخلاف اسکے انکے علوم کے متعلق جو قدیم رائے تھی اسمین بہت کچھ ترمیم ہوگئی ہے اور ہمین معلوم ہوگیا ہے کہ انکے علمی خیالات ان اقوام سے لئے گئے ہین جنکے ساتھ انکو تعلق پیدا ہوا، اور خود ہندوؤن نے اسمین کچھ اضافہ نہین کیا، پس کسی خاص زمانہ کے ہندی علوم کی تحقیقات کرنے کے یہ معنی ہونگے کہ ہم ان اقوام کے علوم کی تحقیق کرین جنکا تعلق اسوقت ہند سے تھا اور یہ ایک ایسی بحث ہے جو ہماری کتاب کے مقاصد سے خارج ہے، جو کچھ ہم ہندوؤن کے دماغی حالت کے متعلق لکھ چکے ہین، اس سے بآسانی سمجھ مین آئیگا کہ انھون نے کیون ان علوم مین جو انہین باہر سے حاصل ہوئے کوئی ترقی نہین کی، ہندو دماغ جو فلسفہ مین نکتہ رس اور فنون مین

تیز فہم ہے اس خاصیت سے جسکا نام مادہ تحقیق ہے، اور جسکے اوپر علوم کا دارو مدار ہے بالکل عاری ہے، ہمیشہ سے ہندوؤن مین اصلی علوم کی کمی رہی ہے، ان مین دوسرون کی تحقیقات کو حاصل کرلینے کا تو پورا مادہ ہے، لیکن اس درجے سے یہ کبھی آگے نہ بڑھ سکے، وہ وہ قومین جن سے ہندوؤن نے اپنے علوم اخذ کئے، یونانی اور عرب معلوم ہوتے ہین، یہ نہین معلوم ہے کہ یونانی علوم ہند مین کیونکر پہنچے، لیکن شمال و غربی ہند کی عمارات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے تعلقات بیکٹیریا کے ساتھ مدت دراز تک قائم رہے، بہت ہی قرین قیاس ہے کہ اسی ذریعہ سے یونانی علوم ہند مین آئے، "وراہ مہر" جو نہایت قدیم ہندو مہندس ہے اور جو اجین مین چھٹی صدی عیسوی مین تھا، اپنی ہیئت کی کتاب مین یونانی اصطلاحین استعمال کرتا ہے، اور یونانیون کی طرف اشارہ کرتا ہے، عربون کا علم کس طرح ہند مین آیا اسکا سمجھنا زیادہ آسان ہے، سنہ مسیحی سے بہت پہلے عربون کے تجارتی تعلقات ہندوستان سے قائم تھے، اور عرب ہی مشرق اور مغرب کے باہم ملنے کے ذریعہ تھے، اسکے بعد جب مسلمانون نے تمام قدیم دنیا کو فتح کرلیا تو یہ تعلقات مثل سابق کے قائم رہے، اور ہمین عربی مورخین سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفاے بغداد کے دربار مین متعدد ہندو علما موجود تھے، اس سے بھی مابعد زمانہ مین جب مسلمانون نے ہندوستان پر حکومت حاصل کی تو علماے اسلام علوم کو برابر ملک مین پھیلاتے رہے، مثلاً گیارہوین صدی عیسوی مین البیرونی نے جسکا زمانہ محمود غزنوی اول فاتح ہندوستان کا ہے، تمام ملک مین سفر کیا، اور علوم عربی کو جو اسوقت بہت وسیع ہوگئے تھے، کیونکہ ان مین نہ صرف قدیم دنیا کے علوم موجود تھے بلکہ خود عربون کی تحقیقات شامل ہوگئی تھی، ہندوستان مین پھیلایا، گیارہوین صدی عیسوی کے بعد سے کہنا چاہیئے کہ ہندی علوم سے مراد عربی علوم ہین، پس ہم کہہ سکتے ہین کہ ہندی علوم جنکی ابتدا یا پانچوین صدی عیسوی مین آریہ بھٹ کی ریاضیات سے ہوئی اور پھر ساتوین صدی مین

برہم گپت نے اسپر اضافہ کیا، اس زمانے سے لیکر آج تک انہین مسائل سے بحث کرتے ہین جو ہندہین ان دو ذریعون سے آے، اسوقت ہمارے پاس ہندو علوم کی مشہور تصانیف موجود ہین اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤن نے خود ان علوم مین زیادہ ترقی نہین کی، کسی زمانہ مین خیال کیا جاتا تہا کہ ہندوؤن کا علم ہیئت بہت کچھ کامل ہی، اور قدیم ہے، لیکن اب یہ خیالات قائم نہین رہے، اور ان پر بحث کرنا بے فائدہ ہوگا، اگر ان تصانیف مین کوئی نیا مسئلہ بیان کیا گیا ہے تو محض اشارتاً اور بلا دلیل، مثلاً آریہ بہٹ چند سطرون مین زمین کی محوری حرکت روزانہ کا ذکر کرتا ہے لیکن کسی قسم کا ثبوت نہین دیتا، اسی طرح بارہوین صدی عیسوی مین سبھاسکر چاریہ نے اس طریقہ حساب کی طرف جسکو کیل کولس کہتے ہین اشارہ کیا ہے، لیکن اس سے آگے نہ بڑہا،

جو کچھ اوپر بیان ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوون نے علوم مین کسی قسم کی جدت نہین پیدا کی، جب انکی ذاتی تحقیقات کچھ نہین ہین تو پھر انکے علوم سے بحث کرنا اور محض ایسے مسائل پر ذکر کرنا جو عربون اور یونانیون کی تحقیقات سے لئے گئے ہین محض لاحاصل ہی، اگرچہ ہندو علوم مین کم ہین لیکن عملی طور پر انھون نے بہت بڑی ترقی کی،،

عبارت بالا مین عربون سے مانسیو موصوف کی مراد "مسلمان" ہین، یہ غلط اصطلاح دوسرے یورپین مصنفون کی زبان و قلم پر بھی چڑہی ہوئی ہے، ہندوستان کے ساتھ قدیم عرب تعلقات کا جو ذکر مصنف نے کیا ہی اس سے اسکا اشارہ اُس زمانہ قبل اسلام کی طرف ہی جب مشرق و مغرب یا ہندوستان و چین اور روم و یونان کے درمیان عرب تاجر سفیر اور متوسط کی خدمت انجام دیتے تھے، یورپ کا مال وہی ہندوستان و چین لیجاتے تھے، اور وہی ہندوستان کی مصنوعات کو یورپ کے ہاتھون مین دیتے تھے، اسکا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تہا کہ قدیم ہندوستان، قدیم عرب کے تمدن سے کسی قدر متاثر ہو، اس تاثر کے آثار و علامات ہندوستان کے سنگی کتبات اور تحریری اوراق دونون مین ملتے ہین

ہندوستان کی پرانی سے پرانی تحریر اسوقت وہ خطوط اور کتبے (انسکرپشن) ہین جو مگدھ (بہار) کے موریہ خاندان کے راجہ اسوکا (۲۵۳ ق م) کے مذہبی فرامین کی صورت مین ہندوستان کے پورے طول و عرض مین پشاور سے گجرات و دکن تک پہاڑون پر اور لاٹون پر کندہ ملتے ہین، محققین فن خط (کیر کٹر) کا بیان ہے کہ ہندوستان کا یہ قدیم خط سامی خطوط کی شاخ آرامی خط سے ماخوذ ہے، لیکن خطوط کی زبان پالی ہے، یعنی قدیم بہار کی زبان جو بودھ کی مذہبی زبان تھی،

تمام آرین تحریرین بائین سے دائین طرف لکھی اور پڑہی جاتی ہین، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہ کتبے، سامی تحریرون کی طرح داہنے سے بائین طرف لکھے ہوے ہین، اور اسی طرح سے پڑہے جاتے ہین یہ اس بات کا دوسرا ثبوت ہی کہ ہندوستان کا قدیم سرمایۂ تحریری اپنے وجود و بقا مین عربون کا ممنون کرم ہی[۱]

ہمارے دعوی کے ثبوت کے لئے اس سے زیادہ عجیب تر اور نادر تر وہ دستاویز ہے جو مہابھارت[۲] کی عدالت عالیہ سے ہمکو مل سکی ہے، ستھیارتھ پرکاش کے گیارہوین سمولاس مین سوامی دیانند لکھتے ہین کہ مہابھارت مین جب کورون نے لاکھہ کا گھر بناکر پانڈون کو اسکے اندر پھونک دینا چاہا تو بدرجی بدھشٹر کو عربی زبان مین بتایا، اور بدھشٹر نے اسی عربی زبان مین انکو جواب دیا، سوامی جی کا بیان اگر صحیح ہے تو ہمکو نہایت خوشی ہے کہ ہم ملیچھون کی زبان کسی زمانہ مین اسقدر "مقدس" بھی تھی کہ دیوتاؤن کے بڑے بڑے اوتار اسکو بولتے تھے، اور اسمین ایک دوسرے سے راز کی باتین کہتے تھے،

بہر حال یہ قصے تو تاریخ کی یاد سے پہلے کے ہین، خدا جانے انکی بدگمان دنیا ان کہانیون کو سچ بھی مانیگی یا نہین، اسلئے ہمکو وہ داستان چھیڑنی چاہیئے جو تاریخ کے ہوش کی باتین ہین، مسلمانون کے آفتاب دولت نے ہندوستان کے افق سے طلوع ہوکر ملک مین جو روشنی پھیلائی ہم چاہتے ہین کہ تاریخ کے منشوری شیشہ کے ذریعہ سے اسکی تحلیل کردین تاکہ ہر صاحب بصیرت کو نظر آجاے کہ واقعہ کیا ہے، مسلمانون نے ہندوستان آکر

[۱] تاریخ الادب جلد ا صفحہ ٥ شایع کردہ جامعہ مصریہ (ایجپشین یونیورسٹی) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۴ صفحہ ۵۹ طبع ۱۱،
[۲] پہلا پرب، ادھیاے ۱۴۷ ،

جن علوم کو پھیلایا اور جس تعلیم کو رائج کیا، ترتیب وار ہم اسکی تشریح کرنی چاہتے ہین، اسکی بہتر اور آسان صورت یہ ہے کہ اس عہد کے ہندو مصنفین کا جائزہ لیا جاے اور دکھایا جاے کہ مسلمانون کے عہد حکومت مین انکی کیا تعداد تھی، کیا حیثیت تھی، کیا نوعیت تھی، اور کسی پچھلے زمانہ کی تعلیمی حالت کی تشریح کیلیے اسکے سوا کوئی اور تدبیر نہین،

ہمکو اس سے انکار نہین کہ مسلمانون کے عہد سے پہلے ہندوستان مین مصنفین موجود تھے اور انکی خاصی تعداد ہے، انکی ابتدا بودھ مت کے زمانہ عروج سے ہوتی ہے، قدیم ہندوستان مین کہین کہین جو مدارس قائم تھے جنکا ذکر چینی سیاحون نے کیا ہے وہ اسی مذہب کے درسگاہ تھے، شنکر اچارج نے بدھ اور جین مت کو مٹا کر جب ویدک دہرم کا دوبارہ پرچار کیا، اور سنسکرت زبان نے بدھ والون کی پالی کو ہٹا کر خود اسکی جگہ لینی شروع کی تو اس جوش و ہیجان نے طبیعتون کو تصنیف و تالیف کی طرف رجوع کیا، اور سنسکرت زبان جو پہلے صرف دعاؤن، بھجنون اور منترون پر مشتمل تھی وہ علوم و فنون پر بھی حکمران ہوئی، تاہم مذہبی کتابون سے قطع نظر کر کے اسکا خالص سرمایہ تحریری اتنا بھی نہین جو چند الماریون کی زینت ہو سکے، ہر علم پر تھیالوجی اور افسانون مین ملی جلی دو دو تین تین کتابین تھی، اس دعوی کی دلیل سنسکرت دان علماے اسلام[1] اور مستشرقین یورپ[2] کے بیانات ہین، اور سنسکرت کی سرزمین کی موجودہ پیمائش علمی ہے[3]،

مسلمانون نے انکو بتایا کہ افسانہ اور کہانی سے الگ کر کے علوم و فنون پر خالص علمی کتابین بھی لکھی جا سکتی ہین، اکثر قدیم تصنیفات صرف برہمنون کی ملکیت تھی، وسعت تعلیم نے برہمنون سے نکلکر ہندوستان کے دوسرے طبقون کو بھی یہ علمی آزادی بخشی گئی، اولاً جیسا کہ ہر نئی چیز کا قاعدہ ہے مسلمانون کی زبان سیکھنا برہمنون نے ناجائز قرار دیا تھا، اشلوک بنائے گئے کہ مسلمانون کی زبان سیکھنا، اور جینیون کے مندر مین جانا

[1] بیرونی کی کتاب الہند اور ابوالفضل کی آئین اکبری کا دفتر سوم، [2] تمدن ہند، انسائیکلوپیڈیا لفظ انڈیا، [3] دکن کالج پونہ مین سنسکرت کی مطبوعہ اور قلمی کتابون کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے، مذہبی کتابون اور مکرر نسخون کو ملا کر ۸۰۰ کتابون کی تعداد ہے،

مست ہاتھی کے آگے پڑنے سے زیادہ خطرناک ہے[1]، تاہم جیسا کہ پہلے نمبر مین ہم نے بہ تفصیل بیان کیا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ تعصب ہندوؤن سے کیونکر دور ہوا، اور سیکڑون برس کے بعد سکندر لودی کے زمانہ سے فارسی تعلیم نے ان مین عام اشاعت پائی،

اسلامی علوم مین سب سے پہلے تاریخ کا ذکر کرتے ہین:

تاریخ

تاریخ وہ فن ہے جسکی طرف قدیم ہندو دماغ نے کبھی توجہ ہی نہین کی، لیبان تو کہتا ہے کہ اسکے لئے ہندوؤن کا دماغ ناموزون معلوم ہوتا ہے[2]، آریہ ورت انسانیت کا نہایت قدیم گہوارہ ہے اگر یہان انسانون کے پچھلے تاریخی کارنامون کو محفوظ رکھنے کی لیاقت ہوتی تو بہت سے قدیم عقدے آج ہمارے لیے پیچیدہ نہوتے، ہندوستان کی پرانی داستان سننے کے لئے ہمکو یونان اور چین کے سیاحون کے پاس جانا پڑتا ہے، خود ہمارے گھر مین اپنی دنیا کی پچھلی زندگی سے واقفیت حاصل کرنیکا کوئی ذریعہ نہین ہے ویدون کے کہنہ اوراق، منو ساشتر کے قانونی دفعات، مہابھارت کے رنگین صفحات، رامائن کی پردرد کہانیان، اور اپنشد کی پیاری پیاری باتین، ان مین سے کوئی چیز قدیم ہندوستان کی تاریخ کا ہمکو پتہ نہین دیتی،

آغاز عالم سے زمانۂ اسلام تک ہندوستان مین جو سیاسی انقلابات ہوے، ملک کے صوبہ صوبہ پر جو حکمران فرمانروائی کر رہے تھے، بڑے بڑے جو عالم، فاضل اور پنڈت پیدا ہوے انکے تاریخی حالات کا آج پتہ لگانا چاہو، صحیح تاریخ ولادت، وفات اور سوانح حیات جاننا چاہو تو قیاس کے سوا کوئی روشنی تمہاری رہنمائی نہ کر سکیگی، پرانون سے صرف رشیون اور منیون کے کچھ کچھ حالات معلوم ہوتے ہین لیکن وہ تاریخ نہین،

لیکن اسی غیر تاریخی ملک مین جب مسلمانون کا قدم آتا ہے تو یہان کا آسمان و زمین بدلجاتی ہے،

[1] ستیارتھ پرکاش، سمولاس ۱۱، [2] تمدن ہند صفحہ ۳۳۹،

آریہ ورت کا ذرہ ذرہ چمک اٹھتا ہے، مسلمان سلاطین، امرار، علما، شعرا اور دوسرے اکابر رجال
چھوڑ کر مسلمان مورخون اور تذکرہ نویسون نے خود ہندو راجاؤن، پنڈتون، شاعرون اور امیرون کے
حالات اسقدر لکھے ہین کہ بہ آسانی دعوی کیا جاسکتا ہی کہ مسلمانون کی آمد سے پہلے ہزار ہا سال
ہندو قوم پر گذرے، اس زمانہ کے (میتھالوجیکل) تمام ہندو علما اور امرا کی فہرست جتنی طویل بنائی جائین،
مسلمانون کی آمد کے بعد صرف آخری ۵۰۰ برس کے عرصہ مین اس سے دو چند بلکہ سہ چند بڑی فہرست
احوال تاریخی پیش کیجا سکتی ہے، صرف تیموریون کے زمانہ مین جو ہندو امرار اور علمار گذرے ہین
حالات و بیانات دو تین جلدون مین سما سکتے ہین، ہندو فارسی شعرار کے نام و سوانح با این ہمہ
بیگانگی ہمارے فارسی تذکرے جو خاص مسلمانون کے قلم سے نکلے ہین اسقدر سنا سکتے ہین کہ آپ سنتے سنتے
گھبرا اٹھین گے،

آج یورپ کے دعوی آزادی و مساوات کے شور و ہنگامہ نے دنیا کو چھا لیا ہے، ممالک مفتوحہ مین
اشاعت تعلیم کی بہ کثرت انکا بیان ہی کہ صرف ہمارے دور حکومت کی خصوصیت ہے، ہم کہتے ہین بجا ہے
اور درست ہے، جاؤ اور انگریزی قلم کے تصنیفی فہرست کا ایک ایک ورق پڑھ ڈالو، انکی انسائیکلوپیڈیا ہائے
انکی تاریخ اور تذکرون کو چھان ڈالو، اس تفحص، اس تلاش، اور اس محنت کے بعد ہمکو بتاؤ کہ مغرور انگریز
آبحیات نے تمہارے کتنے علمار، فضلار، اور شعرار کے نام زندہ کیے ہین، اور کتنے اس قابل سمجھے گئے ہین کہ
حکمران قوم اپنی شاہی زبان مین اور اس پریس کے عہد مین انکے تذکرے لکھے[1]، پھر کیا ظالم، بت شکن،
اور ملیچھ مسلمانون کی یہ علمی آزادی و مساوات نہ سمجھی جائیگی کہ انھون نے مسلمانون اور ہندوؤن دونون قوم کے
فضلار کو ایک نظر سے دیکھا اور اس حکمران قوم نے اپنی شاہی زبان کے علمی دربارون مین دونون کو پہلو بہ پہلو جگہ دی،
علاوہ ازین مسلمانون کے تاریخی ذوق نے ہندوؤن مین اس فن کی تعلیم و ترقی کا وہ جوش پیدا کیا کہ
آج بھی اگر یورپ اور ہندوستان کے کتبخانون کا جائزہ لیا جاے تو ایک بڑا گران قیمت سرمایہ فراہم ہوسکتا ہے،

[1] گذشتہ تاریخ سے بحث نہین، بلکہ زمانۂ روان کا سوال ہے۔

ہمارے سامنے تو اسوقت یورپ اور ہندوستان کے مادی کتبخانے نہین، صرف حیدرآباد، بانکی پور، ایشیاٹک
[illegible] سوسائٹی کلکتہ، اور لندن کے کتبخانون کی فہرستون کے معلومات ہین، تاہم انھون نے ہندو زبان کے فارسی
[illegible] مصنفین کے (جو عہد اسلامی کے علمی و تعلیمی کوششون کے نتائج علمی ہین) حالات بہم پہنچائے ہین وہ کسقدر حیرت افزا
[illegible]، سب سے پہلے ہمکو اس عہد کے ہندو مورخین کا تذکرہ کرنا ہے،

راج ترنگنی پیش نظر مواد جہانتک ہماری اعانت کرتے ہین، معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سب سے پہلی تاریخ
[illegible] کسی ہندی قلم نے لکھی وہ کشمیر کی تاریخ راج ترنگنی ہے، یہ کتاب ہندی مین سلطان زین العابدین والی کشمیر کے
[illegible] زمانہ مین لکھی گئی تھی[1]، (سلطان ۸۲۶ھ مین تخت نشین ہوا تھا) مصنف کا نام کلہانا ہے، اکبر جب کشمیر گیا ہی
[illegible] یہ کتاب اسکے دربار مین پیش کیگئی، اور اسکے حکم سے اسکا فارسی مین ترجمہ ہوا، ابوالفضل کا بیان ہے کہ اسمین
کشمیر کے متعلق پانچ ہزار برس کا حال لکھا ہے، والیان کشمیر کے دربارون مین تاریخ نویسی کا خاص عہدہ تھا اور
یہ کتاب اسی کوشش کا ثمرۂ کوشش تھی[2]،

اصل متن کتاب فرانس اور ہندوستان مین چھپ گئی ہے[3] اور فارسی نسخہ بھی مطبوع ہے،

لال جی داس بابا لال گرو، شاہجہان کے زمانہ مین ایک عارف جوگی تھے شہزادۂ داراشکوہ انہین کا
[illegible] مرید تھا، لال جی داس، بابا لال گرو کا چیلا تھا، بابا کا سنہ پیدائش سنہ ۱۰۱۴ھ ہے، سنہ ۱۰۵۹ھ تک وہ
زندہ تھے، لال جی داس نے سنہ ۱۰۶۸ مین گرو کے حالات و ملفوظات کو فارسی مین جمع کیا، گورنمنٹ کلیکشن
[illegible] لائبریری مین اسکا ایک نسخہ سنہ ۴۱ جلوس عالم شاہی کا لکھا ہوا موجود ہے،

بنوالی داس ولی شہزادہ داراشکوہ کا میر منشی تھا، بعضون نے اسکا نام بھوانی داس لکھا ہے، کتبخانہ آصفیہ کے
[illegible] فہرست نویس نے ولی رام گوسائین داراشکوہی نام بتایا ہے، بنوالی اور بھوانی تو کتابت کی تصحیف ہے، ولی
اسکا تخلص نام مین داخل ہوگیا ہے، اس نے شاہان دہلی کی تاریخ لکھی ہے، کتاب کا نام راجاولی ہے،

[1] تاریخ فرشتہ، نولکشور جلد ۲ صفحہ ۴۴۷، [2] آئین اکبری، نولکشور جلد ۲ صفحہ ۱۸۱، [3] دکن کالج لائبریری کیٹلاگ، صفحہ ۱۹۹،

کتاب مستند ہے، اور بہت سی معتبر کتابون مین اسکے حوالے ہین، اسکے قلمی نسخے اکثر کتبخانون مین موجود ہین

رائے بندرابن رائے بہارامل کا بیٹا تھا، بہارامل نے سنہ ۲۰ جلوس شاہجہانی مین حسن خدمات کے صلہ مین رائے کا خطاب پایا تھا، داراشکوہ نے اسکو اپنا دیوان مقرر کیا تھا، اسکے بیٹے بندرابن کو عالمگیر نے تربیت کیا اور رائے کا خطاب بخشا، بندرابن نے لُبّ التواریخ کے نام سے اپنی ایک بہترین یادگار چھوڑی ہے،

ایسرداس قوم ناگر، پٹن کا باشندہ تھا، وہ خود کہتا ہے کہ بچپن سے ۳۰ سال کی عمر تک وہ قاضی شیخ الاسلام ابن عبدالوہاب المتوفی سنہ ۱۰۹۶ھ کی خدمت مین حاضر ہوکر تحصیل علم کرتا رہا ہے، امراء اور اعیان دولت قاضی صاحب کی خدمت مین آیا کرتے تھے انکے مباحثات اور گفتگوؤن کو بغور سُنتا تھا، اور انسے فوائد حاصل کرتا تھا، تکمیل علم کے بعد ایسرداس، شجاعت خان حاکم گجرات کی وساطت سے جودھپور کا امین مقرر ہوا، وہ ہاتھ جو ۳۰ برس تک صرف قلم سے مانوس رہا تھا، تلوار کے قبضہ پر بھی مضبوط تھا، اس نے میدان جنگ مین کامیابی حاصل کی، بادشاہ کی طرف سے میرٹھ مین اسکو جاگیر عنایت ہوئی اور دو سو بست ہفتم صدی افسر مقرر ہوا، عہد عالمگیری کے ابتدائی زمانہ مین ہمارا فوجی افسر پہرو ہی ۳۰ سال کا نوجوان طالب العلم نظر آتا ہے اور فتوحات عالمگیری نام ایک بڑی تصنیف اپنی یادگار چھوڑتا ہے،

بھیم سین کالیتھ رگھونندن داس اسکے باپ کا نام تھا، سنہ ۲۳ جلوس شاہجہانی (سنہ ۱۰۵۹ھ) برہانپور دکن مین پیدا ہوا تھا، اسکا ایک عزیز بھگونداس عالمگیر کے دربار مین دیوان تھا، اور دیانت رائے کے خطاب سے ممتاز تھا، بھیم سین نے بندیلہ کے حاکم راؤ دلپت کی سرکار مین نوکری کی، راؤ دلپت دکن کی لڑائیون مین نہایت کارآمد سردار ثابت ہوا تھا، عالمگیر نے راؤ کے خطاب کے ساتھ تین ہزار فوج کا افسر بنا دیا،

بھیم سین گو کالیتھ تھا لیکن قلعہ ناگدرک کی قلعہ داری اُس نے نہایت خوبی سے کی، سنہ ۱۱۲۰ھ مین نوکری سے مستعفی ہوکر اپنے وطن مین گوشہ نشین ہوگیا، اور اب موقع آیا کہ تلوار کی بجائے قلم کا حق ادا کرے، دلکشا کے نام سے عہد عالمگیری کی تاریخ لکھی جو اب تک موجود ہے،

نرائن کول عاجز باشندۂ کشمیر، اپنی تصنیف کے دیباچہ مین لکھتا ہے کہ ایک مدت سے شرفائے کشمیر کا تقاضا تھا کہ انکے وطن کی ایک تاریخ لکھدون، بالآخر بزرگان وطن کے اصرار سے مجبور ہوکر مین نے یہ بار امانت اٹھالیا اسی زمانہ مین عارف خان کشمیر کے دیوان اور نائب صوبہ دار کے حکم سے ملک حیدر نے سنسکرت سے کچھ مواد فراہم کیا تھا وہ میرے حوالہ کیا گیا، مین نے اسکو دیکھا تو قابل اصلاح نظر آیا، بالآخر اصل سنسکرت سے مقابلہ کرکے اسکو بھی اپنی کتاب مین شامل کرلیا، سنہ ۱۱۴۲ھ مین تاریخ کشمیر تکمیل کو پہنچی،

منشی ہیرامن گوہرداس معتمد خان کے منشی تھے، معتمد خان نے بھائیون کی لڑائی مین عالمگیر کا ساتھ دیا تھا، امن و امان کے بعد سنہ ۱۱۵۱ھ مین وہ گوالیار کا حاکم مقرر ہوا، منشی ہیرامن نے اس تقریب سے اسی زمانہ مین گوالیار نامہ کتاب لکھی، جسمین راجہ بکرماجیت کے ۳۳۲ برس بعد سے لیکر معتمد خان کی حکومت کی زمانہ تک گوالیار کی تاریخ مرتب کی،

جسونت رائے ولد بھگونت رائے، ولد سندرداس منشی لاہوری فارسی زبان کا فاضل اور شاعر تھا پہلے پردل خان کے یہان نوکر تھا، سنہ ۱۱۸۱ھ مین کرناٹک گیا اور نواب سعادت اللہ خان کے دربار مین رسائی پیدا کی اور ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا، نواب نے قدردانی کی اور جسونت رائے نے وہین سکونت اختیار کرلی، اور سعید نامہ کے نام سے نواب سعادت اللہ خان اور اُنکے خاندان کی تاریخ لکھی،

منشی ٹھاکرلال ولد بھوج داس کالیتھ، ماتر ضلع برہانپور کا رہنے والا تھا، سنہ ۱۱۳۹ھ مین اس نے ایک کتاب لکھی جسکا نام "دستور العمل شاہنشاہی" رکھا، اسمین اس نے ہندوستان اور دکن کے واقعات بطور فہرست ترتیب دیئے ہین،

منشی سوجان رائے کھتری یہ شہنشاہ عالمگیر کے زمانہ مین تھا، خلاصۃ التواریخ کے نام سے ایک نہایت ضخیم اور مفصل تاریخ ابتدائے عالم سے لیکر شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد تک لکھی، اور اس کوشش اور محنت سے لکھی کہ وہ مستند کتابون کی فہرست مین داخل ہے، منشی موصوف اپنے کو پٹیالہ کا رہنے والا بتاتا ہے، اس کتاب کا قلمی نسخہ حیدرآباد اور لندن کے کتبخانہ مشرقی مین موجود ہے، سنہ ۱۱۱۱ھ مین وفات پائی،

بندرابن داس بندرابن داس بہادر شاہی، بہادر شاہ اول کے درباری متوسلین مین تہا، سنہ ۴۸ جلوس عالمگیری مطابق ۱۱۱۵ھ مین اس نے **خلاصۃ التواریخ** نام کتاب لکھی، اسمین ہندوستان کی تاریخ آریون کے قدیم زمانہ سے لیکر عہد عالمگیری تک ترتیب دی ہے، عربی آمیز فارسی عبارت اس خوبی سے لکھی ہی کہ ایرانی قلم کا اسپر دہوکا ہوتا ہے، مقدمہ مین اپنے ماخذ گنائے ہین، واقعات کا نہایت استقصا کیا ہے، اس کتاب کا ایک نادر نسخہ ۱۲۳۹ھ کا لکھا ہوا **دلپینہ** (بہار) کی **الاصلاح لائبریری** مین موجود ہے،

جگجیون داس ولد منوہر داس، باشندۂ گجرات، محمد معظم شاہ کی سرکار مین ڈاک کا مہتمم تہا، چونکہ خفیہ سرکاری کاغذات اسکی نظر سے گذرتے تھے اسلئے اسکو واقعات کے جمع کرنیکا شوق پیدا ہوا، ۱۱۱۹ھ مین بہادر شاہ اول نے لاہور کے دربار مین باریابی بخشی، اور وقایع نگاری کی خدمت پر اسکو مامور کیا، ۱۱۲۰ھ مین اس نے اپنی محنتون کا ثمرہ **منتخب التواریخ** کے نام سے لکھکر پیش کیا اسکے صلہ مین دربار شاہی سے خطاب و خلعت و انعام حاصل ہوا،

کامراج ولد نین سنگہ، بہپوند ضلع اٹاوہ اسکا وطن تہا، شہزادہ محمد اعظم کی سرکار مین مالوہ مین اسکو حاضری کا موقع ملا، **اعظم الحرب** کے نام سے اس نے شہزادہ کی لڑائیون کے حالات لکھے، کامراج دیباچہ مین لکھتا ہے کہ بہت سے واقعات خود شاہی وقایع نگار نے اسکے لئے بہم پہنچائے، مصنف نہایت اخلاص اور عقیدتمندی کے ساتھ اپنے کو تیموری دربار کا تین پشت سے نمکخوار بتاتا ہے،

کشن چند اخلاص کہتری شاہجہان آبادی، شاگرد مرزا عبد الغنی قبول کشمیری، اسکا باپ اچل داس فارسی کا شاعر تہا، کشن چند نے **ہمیشہ بہار** کے نام سے ۱۱۳۶ھ مین تذکرۂ شعرا لکہا، اسمین اکبر سے لیکر محمد شاہ کے عہد تک کے فارسی شعرا کے حالات و سوانح ہین یہ تذکرہ اسقدر مستند ہے کہ علامہ آزاد بلگرامی خزانۂ عامرہ کی تالیف مین اسکو اپنا ماخذ قرار دیتے ہین اور علانیہ اس سے استفادہ کا اعتراف کرتے ہین، اس کتاب کے نسخے بانکی پور اور حیدر آباد کے کتبخانون مین ہین،

لال رام باپ کا نام دولہ رام اور دادا کا نام رائے کنجمن، رائے کنجمن عالمگیر کے عہد حکومت مین کسی عہدہ پر ممتاز اور رائے کے خطاب سے مشرف تہا، دولہ رام بھی رائے کے خطاب سے مخاطب اور عہدہ داران شاہی مین داخل تہا، خود لال رام محمد شاہ کی سرکار مین نوکر تہا، ۱۱۴۹ھ مین **تحفۃ الہند** ایک مستند تاریخی کتاب لکھکر دربار شاہی مین تحفہ پیش کی،

خوشحال چند کسی زمانہ مین شاہ عالمگیر کے شاہی دربار کا دیوان تہا، ۱۱۶۲ھ اسکی تاریخ وفات ہی اسکی وفات کے بعد اسکی جگہ اسکے بیٹے کو ملی، **تاریخ نادر الزمانی** خوشحال چند کی بہترین تصنیف ہے،

ہیرالال خوشدل یہ غالباً دکن کا باشندہ ہوگا، قطب شاہیہ دکن کی اس نے منظوم تاریخ لکھی ہے، زمانۂ وجود معلوم نہین، دسوین صدی ہجری کے آخر مین یا گیارہوین صدی کے اول مین اسکو ہونا چاہیئے، قطب شاہیہ کا زمانہ حکومت یہی ہے، یہ کتاب **بنگال ایشیاٹک سوسائٹی** کے کتبخانہ مین ہے،

مہاراجہ کلیان سنگہ کلیان سنگہ کا دادا رائے ہمت سنگہ دہلی کا ایک کایستھ، امیر الامرا صمصام الدولہ کی سرکار مین دیوان تہا، اسکے بیٹے شتاب رائے نے بڑا عروج حاصل کیا، دربار شاہی سے ممتاز الملک مہاراجہ شتاب رائے بہادر منصور جنگ کے نام سے مخاطب تہا، اور سلطنت کی طرف سے صوبہ بہار کا ناظم (گورنر) مقرر ہوا تہا، خود بھی فاضل تہا اور فضلائے وقت کا قدردان بھی تہا، ۱۱۸۷ھ مین اس نے وفات پائی اسکا بیٹا انتظام الملک ممتاز الدولہ مہاراجہ کلیان سنگہ بہادر تہور جنگ کے نام سے صوبہ کی نظامت (گورنری) پر مامور ہوا، یہ بھی اپنے باپ کی طرح علم دوست تہا، **خلاصۃ التواریخ** اسکی تصنیف ہے، جسمین امیر تیمور سے لیکر اپنے زمانہ تک کے حالات اس نے لکھے ہین، اسکی دوسری تصنیف **واردات قاسمی** ہی جو نظامت بنگالہ کی تاریخ ہے،

شیوداس لکھنوی شیوداس نے **شاہنامہ منور کلام** کے نام سے فرخ سیر (۱۱۲۴ھ) اور محمد شاہ (۱۱۳۱ھ) کے زمانہ تک کے حالات لکھے ہین، دربار شاہی مین بہت دنون تک یہ منشی (سکریٹری) کے عہدہ پر ممتاز رہا ہی،

روپ نرائن ولد ہری رام کہتری، متوطن سیالکوٹ، اس نے ۱۱۲۹ھ مین ہندوؤن کے مقدس مقامات کے

حالات وکیفیات لکھے، کتاب کا اصلی نام "بزم مہاتم" اور تاریخی نام مخزن العرفان ہے،

راے چترمن قوم کا یستھ سکسینہ، اس نے وزیر الملک غازی الدین خان کی فرمائش سے ہندوستان کی تاریخ لکھی، اور اسکا نام چہار گلشن رکھا، یہ کتاب چار گلشنون پر منقسم ہے، گلشن اول بادشاہان ہند کے حال مین، گلشن دوم صوبون کے حال مین، گلشن سوم دہلی سے چارون طرف بڑے بڑے شہرون تک جو سڑکین گئی ہین، انکی پیمائش اور ایک ایک منزل کا حال، (یہ باب اس کتاب کا سب سے اہم حصہ ہے) گلشن چہارم مین ہندو فقیرون اور جوگیون کے حالات اور سلسلے، ۱۱۷۳ھ مین یہ کتاب اتمام کو پہنچی،

درگا داس باپ کا نام شیو شنکر داس، سفینۂ عشرت ایک فارسی تذکرہ کا مصنف ہے، ۱۱۸۳ھ مین تذکرہ تالیف پایا، عجب نہین کہ یہ حزین کا شاگرد ہو،

انند روپ ضلع نارنول (مدراس) کا ایک برہمن تھا، کھالوجی بھونسلا کے دربار مین کچھ دنون نوکر رہا تھا، نصیر الملک نصیر جنگ کے معاملہ مین ناگپور سے الہ آباد آیا، یہان اس نے ۱۱۹۲ھ مین میزان دانش لکھی جو جگ، کے اعتبار سے چار حصون مین منقسم ہے،

منالال ولد بہادر سنگھ، اس نے شاہ عالم کے دور حکومت کی تاریخ لکھی ہے، کتاب کا آغاز ۱۱۸۴ھ سے ہوتا ہے، جب شاہ عالم نے الہ آباد سے دلی کا رخ کیا ہے،

راے کیول رام ولد رگھناتھ داس اگروال، اطراف دلی مین قصبہ کسنا اسکا وطن تھا، ۱۱۹۴ھ مین اس نے تذکرۃ الامرا نام ایک کتاب لکھی، دیباچہ مین بیان کیا ہے کہ یہ کتاب شاہی روزنامچون اور وقائع ناموں سے مرتب کیگئی ہے،

دلپت راے مخاطب بہ راو دلپت سنگھ، اسکا مولد احمد آباد گجرات ہے، اسکا باپ گلاب راے یہان متصدی تھا، دلپت راے عربی، فارسی، سنسکرت، پراکرت اور بھاکا زبانون مین کامل دستگاہ رکھتا تھا، ۷۰ برس کی عمر مین جے نگر (جے پور) آیا اور مہاراجہ مادھو سنگھ کے حکم سے ملاحت مقال لکھنی شروع کی، اور ۱۱۸۱ھ مین مہاراجہ کے مرنے کے بعد اسکو تمام کیا،

(باقی)

اسلام اور نصرانیت کی کشمکش مملکت روس مین

(۳)

از مولانا عبد السلام ندوی

مکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین

روسی سلطنت مین جو مسلمان بجبر عیسائی بنا لئے گئے تھے، ان مین جن لوگون نے ابتدا مین اس جدید مذہب کو قبول کر لیا تھا، وہ اگرچہ قدامت زمانہ اور روسیون کے اختلاط سے پختہ عیسائی ہو گئے تھے، لیکن محکمہ ارتداد جدیدہ کے قائم ہو جانے کے بعد جو لوگ عیسائی بنائے گئے، ان پر عیسائیت کا رنگ بالکل نہین چڑھا، یہ لوگ تاتاری لباس پہنتے تھے، جمعہ و جماعت کا احترام کرتے تھے، مسلمانون کی مساجد مین جاتے تھے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ سرکاری طور پر عرضیان دیکر عیسائیت کے دائرے سے نکلنا چاہتے تھے، حکومت کے کان اس صدا سے آشنا ہوے تو اس نے انکو بجبر عیسائیت پر قائم رکھنا چاہا، اور اسکے لئے مختلف تدبیرین اختیار کین،

نکولس اول کے عہد مین یہ تدبیر اختیار کیگئی کہ ان مسلمانون کو مسلمان آبادی سے دور دوسرے مقامات مین منتقل کر دیا گیا، کہ ان پر مسلمانون کا اثر نہ پڑنے پائے، لیکن یہ تدبیر بالکل ناکامیاب رہی، بلکہ الانسان حریص علی ما منع کے رو سے اسکا الٹا اثر پڑا، نکولس ثانی کے اخیر زمانے یعنی ۱۸۵۵ء مین سرکاری فرمان کے ذریعہ سے ایک مخفی انجمن قائم کیگئی، اور اس فرمان مین حسب ذیل ہدایات کی گئین،

(۱) جو لوگ بڑے بڑے پادریون کے ذریعہ سے عیسائی نہین ہوے، انکو قرآن کے محکمہ روحانیت

نصارے میں بھیجدیا جاے، اور ہر ممکن طریقہ سے انکو دوبارہ عیسائی بنایا جائے،

(۲) جن بچون کو اصطباغ نہین دیاگیا وہ بذریعہ پولیس جبراً انکے والدین سے لیلئے جائین اور انکو بجبر عیسائی بنایا جائے،

(۳) جن لوگون کا نکاح عیسائی مذہب کے مطابق نہین ہوا ہے، انکا نکاح دوبارہ عیسائی مذہب کے مطابق پڑہایا جائے، اگر وہ اسپر راضی نہون تو زوجین مین تفریق کردیجائے،

یہ تدبیرین بھی بے اثر رہین تو ۱۸۶۱ء یعنی الگزنڈر ثانی کے عہد سلطنت مین یہ انجمن توڑ دیگئی، در اسی زمانہ مین صوبہ قزان مین تقوش کے ۴۰۳۵ آدمی علے الاعلان مسلمان ہوگئے، اب قصبہ ضیا کے مسلمانون نے بھی سرکاری طور پر عرضیان دین اور عیسائی مذہب کو چھوڑنا چاہا، دیکھا دیکھی قزان مین جو لوگ جبراً عیسائی بنائے گئے تھے، سبنے باضابطہ عیسائیت کے حلقہ سے نکلنا چاہا، رفتہ رفتہ یہ ہوا تمام صوبون مین چل گئی، اور ہر طرف سے اس قسم کی عرضیان گذرنے لگین لیکن بدقسمتی سے یہ عرضیان بادشاہ تک نہین پہنچنے پاتی تہین بلکہ صوبے کے حکام خود انکو یہ کہکر کہ یہ قانون کے خلاف ہین نامنظور کردیتے تھے لیکن جو لوگ عیسائیت سے بیزار ہوچکے تھے اُن پر اس رد و انکار کا کوئی اثر نہین پڑا، بلکہ اس یقین کی بنا پر کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، خود بادشاہ کی بیخبری مین ہو رہا ہے برابر اپنی کوششون مین سرگرم رہے، حکام نے دیکھا کہ ان کے دلون مین عیسائی رسوم وعقاید کسی طرح جاگزین نہین ہوتے، تو ایک طرف ان دعاۃ اسلام کو جو ان لوگون کو اسلام کی طرف لوٹنے کی دعوت دے رہے تھے، بتدریج جلاوطن کرنا شروع کیا، دوسری طرف انجمن روحانیت نصاریٰ کو ہدایت کی کہ ان لوگون کو وعظ وپند کے ذریعہ سے عیسائیت پر قائم رکھنے کی کوشش کرے، اب عیسائی پادریون نے ان لوگون کے ساتھ اسقدر رعایت کی کہ انکا صدقہ تک معاف کردیا، لیکن باایں ہمہ لطف و مراعات عیسائی پادری ان لوگونکی نگاہ مین اسقدر مبغوض ہوگئے تھے کہ وہ لوگ

انکی طرف دیکھنا بھی پسند نہین کرتے تھے، بالآخر پادریون نے عیسائی قوانین کی اجرا مین پولیس کی قوت سے کام لیا، لیکن اسکے نتائج اسقدر خطرناک نکلے کہ چند ہی دنون کے بعد سرکاری طور پر پولیس کی مداخلت کی ممانعت کردیگئی، اور گو اسکے بعد بھی چند دنون تک اس قسم کی سختیان جاری رہین، لیکن نتیجہ ناکامی کے سوا کچھ نہ نکلا،

ایک طرف تو مسلمانون کی طرف سے یہ کچھ ہو رہا تھا، دوسری طرف مسلمانون کے علاوہ جو غیر قومین عیسائی بنالی گئی تہین، انھون نے بھی اسلام کی طرف اپنا میلان ظاہر کیا،

اب اس مذہبی شورش نے تمام روسیون کو یقین دلادیا کہ جمعیت میسونیر نے عیسائیت کی اشاعت مین جو کوششین کی تہین وہ بالکل بے اثر رہین، اور اس مقصد کے لئے جو روپیہ صرف کیا گیا وہ بالکل ضایع ہوا، اسلئے خود بعض روسیون نے اس جمعیت کی مخالفت شروع کی، اور اخبارات مین اسکے خلاف مضامین شایع کئے، ایک روسی مضمون نگار نے ایک اخبار مین لکھا کہ فلان تاریخ سے فلان تاریخ تک جمعیت میسونیر نے ۵۴ ملین. روبل صرف کئے، اور اس سے صرف اسقدر فائدہ پہنچا کہ چند لوگون نے عیسائیت کو قبول کیا، اور انکے نام بھی صرف میسونیر کے دفتر مین نظر آتے ہین، عام طور پر انکا وجود محسوس نہین ہوتا، بخلاف اسکے مختلف مذاہب کے ہزارون لوگ بجوشی عیسائی ہوے، اور اُن پر ایک حبہ بھی صرف نہین کیا گیا، اسلئے اگر یہ رقم سلطنت کے دوسرے مصالح پر صرف کیجاتی تو اس سے بہت زیادہ فائدہ پہنچتا،

اسی زمانہ مین امریکہ اور انگلستان کے مشنری بھی روس کے اطراف وجوانب مین پھیل گئے تھے اور مکروفریب کا جال پھیلا رکہا تھا اب انکے طرز تعلیم اور اخبارات کی مخالفت نے روسی مشنریون کو اپنی قدیم روش کے بدلنے پر مجبور کیا، چنانچہ انھون نے اس موضوع پر کثرت سے کتابین، رسالے اور مضامین لکھے، جنمین خصوصیت کے ساتھ حکام کو اپنے مقاصد و اغراض کی طرف متوجہ کیا، اور

اسکو انکے لئے ایک نہایت نیک کام قرار دیا، ان کوششون کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۸۲ء مین قزان مین تقریباً سات سو آدمیون کا جنمین وزیر تعلیم، اور بڑے بڑے پادری شامل تھے مجمع ہوا، اور اس مسئلہ پر بحث شروع ہوئی کہ تاتاری مسلمانون مین کیونکر عیسائیت کی اشاعت کیجائے، بعض اشخاص نے یہ رائے دی کہ جمعیت بیسونیر کے مصارف سے متعدد چڑیا خانے قائم کئے جائین، اور ان مین بط اور مختلف قسم کے پرند پالے جائین، اور ان پرندون کی تربیت و پرداخت کا انتظام تاتاری عورتون اور انکے بچون کے متعلق کیا جائے، ان چڑیا خانون مین مساجد و مکاتب بھی قائم کئے جائین، اور ان مین ایسے اساتذہ مقرر کئے جائین جو ہمارا راگ گائین، ہمارے طریقے پر ناچین، انکو روسی زبان کی تعلیم دین، انکو انجیل کے ترجمے پڑھائین، اور انکے ساتھ نہایت نرمی کا برتاؤ کرین، اس طریقہ سے ۵۰، ۶۰ برس یا زیادہ سے زیادہ سو برس مین ہم اپنے مقصد مین کامیاب ہو سکین گے،،

بعض اشخاص نے کہا کہ تمام اخلاقی برائیان مثلاً شراب خواری اور بدکاری وغیرہ روسیون مین موجود ہین، اسکے بخلاف تاتاری ہر قسم کے اخلاقی اور مذہبی اوصاف کے ساتھ متصف ہین، ایسی حالت مین جب تک تلوار کی قوت سے کام نہ لیا جائیگا وہ لوگ روشنی سے نکل کر ہمارے ظلمتکدہ مین نہ آئینگے "

سب سے اخیر مین ایک بڑے شخص نے کہا کہ اصلی تدبیر یہ ہے کہ تمام تاتاریون کو روسی زبان کی تعلیم پر مجبور کیا جائے، بالخصوص انکے ائمہ و مدرسین کو اسوقت تک امامت و تدریس کی سند نہ دیجائے، جب تک وہ روسی زبان نہ سیکھ لین، اس طرح ہم مین اور ان مین ہر قسم کا اختلاط و اتحاد پیدا ہو جائیگا، اور اسکے بعد مابہ الاختلاف جو چیز رہجائیگی وہ انکا اسلام اور ہماری عیسائیت ہوگی لیکن ہر قسم کے اتحاد و اتفاق کے بعد دوسری تدبیرون سے اس مغائرت و اختلاف کا رفع کر دینا

آسان ہوگا،، اب اس رائے پر تمام حاضرین نے اتفاق کر لیا، اور اسپر عمل کرنیکی تدبیرین اختیار کین،

اس رائے کے کامیاب بنانیکے لئے پہلا مرحلہ یہ طے کرنا تھا کہ سلطنت کو اس پر راضی کیا جائے اگرچہ اس بنا پر کہ خود سلطنت مذہباً عیسائی تھی، وہ اسپر نہایت آسانی کے ساتھ راضی ہو سکتی تھی تاہم اس مقصد پر مصالح کا پُر فریب پردہ ڈالنا ضرور تھا، دوسری ضرورت یہ بھی کہ یہ مقصد ایسے دور اندیشی کے ساتھ حاصل کیا جائے کہ خود مسلمانون کو اسکی خبر نہونے پائے،

پہلا مرحلہ انھون نے اس طرح طے کیا کہ حکومت کو یہ یقین دلایا کہ جو سلطنت متحد المذہب اور متحد القومیت نہین ہوتی، اسکو کبھی ثبات و استحکام حاصل نہین ہو سکتا، روم و یونان کی عظیم الشان سلطنتون کو اسی اختلاف مذہب اور اختلاف قومیت نے برباد کر دیا، روسی سلطنت بھی اسی قسم کے مختلف عناصر سے مرکب ہے، لیکن ان تمام عناصر مین عنصر غالب تاتاری مسلمان ہین، جو مدتون اس ملک پر حکومت کرتے رہے ہین، اور اب تک انکے دماغ مین حکومت کا نشہ باقی ہے، اب اگرچہ انکی تمام مادی طاقتین سلب ہوگئی ہین، لیکن انکی روحانی قوت یعنی انکا مذہب، اور انکے علوم و فنون اب تک باقی ہین، اور انکو ہر قسم کی علمی اور مذہبی آزادی حاصل ہے، بالخصوص کیتھرائن نے انکو ضرورت سے زیادہ آزاد کر دیا ہے، وہ اپنے مکاتب و مدارس مین جو چاہتے ہین پڑھتے پڑھاتے ہین، ائمہ اور مدرسین کا خود انتخاب کرتے ہین، اور ہمارا کام صرف اس انتخاب کی تصدیق کرنا ہوتا ہے، یہی تاتاری اور دوسری قومون پر بھی اثر و اقتدار رکھتے ہین، اسلئے دوسری قومون کا عیسائی بنانا انہی تاتاریون کے عیسائی بنانے پر موقوف ہے، لیکن انکے عیسائی بنانیکی صرف تین تدبیرین ہین،

(۱) جب تک ائمہ، مدرسین، اور واعظین روسی زبان کی کافی تعلیم نہ حاصل کر لین، انکو امامت، تدریس اور وعظ و پند کی سند نہ دیجائے،

(۲) قضاۃ کے انتخاب کا حق جمعیت محمدیہ سے سلب کر کے ہمکو دیدیا جائے،

(۴) انکے مدارس و مکاتب ہماری نگرانی مین دیدیے جائین،

مسلمانون کی آنکھون پر پردہ ڈالنے مین انکو کوئی دقت پیش نہین آئی، انھون نے ان غریبون کو یہ پٹی پڑھائی کہ جو لوگ امام، مدرس اور خطیب ہوتے ہین وہ روسی حکومت کے ایک رکن ہین، اور بچون کی ولادت اور مردون کی وفات کا رجسٹر انکے ہاتھ مین ہے، سال کے اخیر مین ان رجسٹرون کا روسی زبان مین ترجمہ کیا جاتا ہے، اور مترجمین اسمین بہت سی غلطیان کرتے ہین، جنکی کوئی ذمہ داری ان پر عاید نہین ہوتی، سلطنت انکے متعلق بہت سے سوالات کرتی ہے اور وہ روسی زبان مین ہوتے ہین، اس بنا پر ائمہ و مدرسین وغیرہ کو روسی زبان کے سیکھنے سے چارہ نہین، اسکے ساتھ کسی زبان کی واقفیت بجاے خود ایک مفید چیز ہے، اور شریعت اسلام مین اسکی کوئی ممانعت نہین ہے، ان مخفی تدابیر کے بعد سلطنت کی طرف سے انکو اجازت مل گئی، اور وہ لوگ دوبارہ جمع ہوے، اور اسکے متعلق ایک اسکیم مرتب کی جسکا خلاصہ حسب ذیل ہے،

(۱) روسی مسلمانون کو اسوقت تک کسی جدید مکتب کے قائم کرنے کا اختیار حاصل نہین ہے جب تک وہ ایک روسی مدرس کو ملازم نہ رکھین جو انکے بچون کو روسی زبان کی تعلیم دے،

(۲) روسی زبان کی تعلیم کی نگرانی روسی مکاتب کے انسپکٹر کے متعلق ہوگی،

(۳) سرکاری اور مذہبی خدمات کے لئے وہی لوگ منتخب ہوسکین گے، جنکے پاس روسی زبان کی تعلیم کی سند ہوگی،

وزیر تعلیم نے یہ اسکیم بادشاہ کی خدمت مین پیش کی، اور وہان سے اس شرط پر منظور ہوگئی کہ وزارت داخلیہ سے بھی اسکے متعلق مشورہ کیا جاے، چنانچہ وزیر تعلیم نے اس اسکیم کو وزیر داخلیہ کی خدمت مین بھیجدیا، اور محکمۂ جمعیت اسلامیہ سے درخواست کی کہ وہ اسکو نافذ کردے،

اس سے پہلے صوبہ اوفا کے انسپکٹر مکاتب نے مفتی سلیم گراے کو اس اسکیم کے نافذ کرنے پر

آمادہ کیا تھا، لیکن انھون نے وزارت داخلیہ کو لکھا کہ مسلمانون کے محکمۂ مذہبی کے قوانین کو بدلنا مناسب نہین ہے، لیکن وزارت کی طرف سے انکو فہمائش کیگئی کہ آپ معقول دلائل کی بنا پر تاتاریون کو روسی زبان کے سیکھنے پر آمادہ کرین، اور جو لوگ اسمین رکاوٹ پیدا کرنا چاہتے ہین انکو روک دین، مفتی صاحب موصوف نے اگرچہ حسب ہدایت کوشش کرنیکا وعدہ کیا، لیکن اسکے ساتھ یہ بھی ظاہر کردیا کہ یہ اسکیم موجودہ مدارس کے لئے موزون نہین ہوسکتی، اب مسلمانون کو ان وسائس مخفیہ کا حال معلوم ہوا تو ایک عام شورش برپا ہوگئی، اور سب نے اس اسکیم پر عمل کرنے سے انکار کردیا وزارت داخلیہ نے اس فتنہ کے دبانیکے لئے مفتی موصوف کے ذریعہ سے ایک اعلان شایع کردیا جسمین یہ ظاہر کیا گیا کہ روسی زبان کی تعلیم نصرانیت کی اشاعت کے غرض سے نہین دیجائیگی، خود بخاری مین اس قسم کی روایت ہے، جس سے یہود کے زبان کی تعلیم حاصل کرنیکا جواز ثابت ہوتا ہے، یہ اعلان شایع ہوا تو مسلمانون کا اعتماد خود محکمۂ جمعیۃ اسلامیہ سے اٹھ گیا، اور مفتی موصوف پر لعنت و ملامت کی بوچھار ہونے لگی، اس اعلان کے ساتھ جمعیت میسونیر کے ارکان نے بھی متعدد اعلانات شایع کئے اور مسلمانون کے مکاتب و مدارس کے انسپکٹر نے بھی قزآن مین ایک اعلان علماء کے نام شایع کیا جسکا خلاصہ یہ تھا

(۱) چونکہ ان مدارس کے مدرسین روسی زبان نہین جانتے، اسلئے ان مین ایک ایسا مدرس مقرر کیا جائیگا جو طلبہ کو روسی زبان سکھائے،

(۲) یہ مدرس صرف روسی زبان کی تعلیم دینگے، اسمین لکھنا اور بولنا سکھائینگے، اور علم حساب پڑھائینگے

(۳) جو مدرسے سنہ ۱۸۷۰ء سے پہلے قائم ہوے ہین، ان مین ان مدرسین کے مصارف کا بار خود اہل محلہ پر ہوگا، لیکن اسکے بعد جو مدرسے قائم ہونگے، انکے قائم کرنیکی اجازت اسوقت تک نہ دیجائیگی، جب تک ان مین روسی زبان کے معلم مقرر نہ کئے جائین، اس بنا پر ہر اس گاؤن مین جسمین سنہ ۱۸۷۰ء سے پہلے مدرسہ قائم ہوا ہے، اسکے امام کو لازم ہے کہ وہ اس گاؤن کے باشندون کو جمع کرے اور انکو

یہ دفعات سُنادے، لیکن جو مدرسے اس سنہ کے بعد قائم کئے جائینگے، اور اس گاؤن یا محلے کے لوگ روسی زبان کی تعلیم پر آمادہ ہونگے تو وہ بند کردیے جائینگے، اسکے ساتھ ہر عالم کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ان سوالات کا جواب لکھ بھیجے،

(۱) فلان گاؤن کا امام کون ہے؟ اس نے کہان پڑہا ہے، کب سندلی ہے، اور روسی زبان جانتا ہے یا نہین؟

(۲) کون امام مدرسہ مین تعلیم دیتا ہے، اور کون بچون کو اُنکے مکان پر پڑہاتا ہے؟

(۳) کیا تمہارے گاؤن مین کوئی مکتب یا مدرسہ ہے؟ اگر ہے تو کب قائم ہوا؟ اور کسکے مصارف سے چلتا ہے؟،

(۴) کیا مدرسے پر کوئی وقف ہے؟

(۵) کیا اسمین روسی زبان کی تعلیم دیجاتی ہے؟

(۶) مدرسہ مین کتنے لڑکے محلے کے ہین، اور کتنے باہر سے آتے ہین؟

لیکن با این ہمہ مسلمان علماء روسی زبان کی تعلیم پر راضی نہین ہوے، تو وزارت تعلیم نے وزارت داخلیہ کو علماء کی مخالفت کی اطلاع دی، اور لکھا کہ اُنکے لئے قانونی سزا تجویز کیجائے، وزارت داخلیہ نے اسکے متعلق گورنر قزان سے رپورٹ طلب کی، اور اس سے خواہش کی کہ روسی زبان کے رواج کی مناسب تدبیرین اختیار کرے، اس نے جواب دیا کہ علماء چونکہ روسی زبان کو عیسائیت کی اشاعت کا ذریعہ سمجھتے ہین، اسلئے اُسکی مخالفت کرتے ہین، اور مسلمانون کے مدارس کے مقابل مین جو روسی مدرسے قائم کئے گئے ہین، ان مین مسلمان بچون کے بھیجنے سے انکار کرتے ہین، ولایت قزان کے ناظم دائرۃ المعارف کی راے ہے کہ جو لوگ امامت اور مدرسی کے لئے تیار ہوتے ہین، انکے لئے نہ صرف روسی زبان کی تعلیم لازم کیجاے بلکہ وہ یہ بھی اعتراف کرین کہ روسی زبان نہایت مفید ہے

(باقی)

مسائل و فتاوی

مجوب الارث

یعنی

یتیم پوتون کی وراثت کا مسئلہ

(از جناب مولوی حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری)

اہل السنۃ والجماعۃ کے قانون وراثت مین ایک مسئلہ مجوب الارث کا ہی، اسکی صورت یہ ہے کہ جو بیٹے باپ کی زندگی مین اپنی اولاد کو چھوڑ کر مر جاتے ہین تو انکی یتیم اولاد اپنے دادا کے مرنے پر بشرطیکہ اس نے کوئی بیٹا چھوڑا ہو، اسکے ترکہ مین سے حصہ نہین پاتی، مثلاً بروقت وفات مورث نے اگر ایک بیٹا اور ایک یتیم پوتا چھوڑا تو اس صورت مین سارے ترکہ کا وارث بیٹا ہوگا، اور پوتا بوجہ بیٹے کی موجودگی کے مجوب الارث یعنی وراثت سے محروم قرار دیا جائیگا،

اس مسئلہ کو فقہا نے اگرچہ ایک مقررہ اور طے شدہ قانون بنا کر کتابون مین لکھدیا ہی اور اسمین کچھ چون وچرا کی گنجائش نہین چھوڑی ہے، لیکن پھر بھی دیکھا جاتا ہے کہ عام طور پر مسلمان اس سے بیزاری ظاہر کرتے ہین، اور جب دوسرے اہل مذاہب اعتراض کرتے ہین، اور قانون اسلام کو یتیمون کے خاندان سے خارج کرنیکا الزام دیتے ہین تو مسلمانون کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے، اور کوئی معقول جواب نہین دیسکتے۔

حال مین دو ایک قانون پیشہ اصحاب مجوب پوتے کی وکالت کیلئے اُٹھے، بعضون نے اسکی حمایت مین اخبارون مین مضامین بھی لکھے، کونسل مین بھی تحریک کی، لیکن قدامت پسند جماعت کے مقابلہ مین بہت جلد نوفل کی طرح جس نے مجنون کو بیاہنے کیلئے لیلیٰ کے قبیلہ پر چڑہائی کی تھی، ناکام میدان سے

ایڈیٹر معارف: اس مضمون کی تنقید اور اصل مضمون کی تحقیق پر علمائے فرائض مین سے کوئی بزرگ سنجیدگی اور دلائل کے ساتھ لکھین گے تو ہم اسکو شکریہ کے ساتھ شائع کرینگے

ہٹ گئے، اور یہ بیچارہ پوتا کتا رہ گیا، ۵

ہم دل مین خوش کہ سبزہ تربت ہرا ہوا   وہ اس ادا سے روئے کہ پلکین بھی نم نہین

میرے دل مین ابتدا ہی سے جب سے مین نے فن وراثت کی تعلیم پائی تھی، یہ مسئلہ برابر کھٹکتا تھا، اور اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ میرے ایک پھوپی زاد بھائی جنکو بچپن ہی سے میرے باپ مان نے تربیت اور تعلیم مین میرا ہمزاد بنا رکھا تھا اسی مسئلہ کا شکار رہے تھے، شیر خوارگی ہی کے زمانہ مین انکے والدین انتقال کر گئے تھے، لیکن دادا زندہ تھے، اور انکے اور بیٹے بھی تھے، بعد مین اگرچہ انکے نیکدل دادا نے انکی وراثت کے لئے باقاعدہ وصیت نامہ لکھدیا، لیکن برادر مرحوم کی جوانا مرگی نے ان سب جھگڑون کا خاتمہ کر دیا، میری توجہ اسی زمانہ سے اس مسئلہ کی طرف لگی رہی، اور متعدد دلائل سے میری سمجھ مین یہ بات آگئی کہ یہ مسئلہ مغز و منشاے اسلام کے خلاف ہے،

حال مین مولانا احمد الدین صاحب امرتسری کی تحریرون نے جنھون نے اپنے قرآنی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ مسئلہ فقہ کی ایک ناقابل قبول غلطی ہے، میرے پرانے خیال کو پھر تازہ کیا اور مین نے اسکو قلمبند کر لینا مناسب سمجھا، اس مضمون کی تکمیل مین مجھے مولانائے موصوف کی تحریرون سے بہت کچھ مدد ملی،

محجوب الارث کا مسئلہ کوئی فرضی مسئلہ نہین ہے، بلکہ اکثر مشاہدہ مین آتا رہتا ہے، میرے پاس چونکہ فرائض کے سوالات بہت آتے ہین، اس وجہ سے اس مسئلہ سے بھی کبھی کبھی واسطہ پڑجاتا ہی، بعض دفعہ تو ایسی دردناک صورت پیش آگئی ہے کہ باپ کے سامنے وہی بیٹا اپنا کوئی معصوم بچہ چھوڑ کر مر گیا جو اسکے بیٹون مین سب سے لائق اور کارگذار تھا جس نے باپ کی خوب خدمت کی، اور اپنی کمائی سے اسکو غنی کر دیا، اور دوسرا بیٹا جو موجود ہے، وہ نہایت نالائق اور ناکارہ ہے، پھر دادا کے مرنیکے بعد وہ یتیم بچہ جو اپنے باپ کے ظل عاطفت سے پہلے ہی محروم ہو چکا تھا، اب اسکی پیدا کی ہوئی دولت سے بھی محروم

ہوجاتا ہے، اور سارا ترکہ وہی ناکارہ اور آوارہ بیٹا لے لیتا ہے، چنانچہ میرے ایک دوست جو بڑے نامور وکیل ہین، انکو جو واقعہ پیش آیا، انہین کی زبانی اسکو لکھتا ہون، ایک عورت انکے ہان چار چھوٹے بچون کو نہایت خستہ اور تباہ حالت مین لئے ہوے آئی اور رو رو کر اپنی درد بھری کہانی سنائی کہ سال گذشتہ طاعون مین میرا شوہر مرگیا، اب حال مین ان بچون کا دادا بھی گذر گیا، انکا ایک ہی چچا ہے جو نہایت نالائق اور آوارہ ہے، اس نے مجھے بچون سمیت گھر سے نکالدیا، میرا میکہ اس قابل نہین ہی کہ ان بچون کو لیکر وہان گذر کر سکون، آپ وکیل ہین، اللہ کے واسطے میری کچھ مدد فرمایئے، اور ان بچون کے دادا کی جائداد مین سے جو اچھی خاصی ہے، عدالت سے چارہ جوئی کر کے کچھ انکو دلایئے، وکیل صاحب کو رقت تو بہت آئی، لیکن بجز اسکے کیا جواب دیسکتے تھے کہ افسوس ہی کہ تمہارے بچون کو اسلامی قانون وراثت کی رو سے کچھ نہین ملسکتا، اسلئے عدالت مین دعوی کرنا فضول ہے، آخر وہ بیچاری باچشم تر ان یتیم مردہ معصومون کو لیکر واپس چلی گئی،

جب اس قسم کی پیش آمدہ بینوائی کوئی صورت نظر پڑتی ہے تو یہ لوگ یہ کوشش[ف۱] کرتے ہین کہ دادا اپنی زندگی مین محجوب اولاد کو کچھ دیدے، کیونکہ چچاؤن سے امید کم ہوتی ہے، اور چونکہ فطرت نے اولاد پر شفقت کرنیکا مادّہ انسان مین رکھا ہے، اسلئے اکثر حالتون مین دادا راضی ہوجاتے ہین، اور ان یتیمونکو تبرعاً و احساناً اپنے مال مین سے کچھ حصہ دیدیتے ہین، لیکن بعض سخت دل ایسے بھی ہوتے ہین جو صاف صاف کہدیتے ہین کہ "صاحب جب انکو اللہ نے نہین دیا تو ہم دینے والے کون"، اسوقت معلوم ہوتا ہی کہ ہمارے قانون وراثت کے مکمل ہونے کا دعوی جو کیا جاتا ہے وہ کہانتک بجا ہی کہ ایک بیکس و یتیم بچہ اپنے بزرگون کی زندگی بھر کی کمائی سے محروم ہو رہا ہے، اور کوئی تدبیر بن نہین پڑتی، اسلئے کہ ایکطرف تو قانون وراثت اسکو محجوب الارث قرار دیتا ہے، اور دوسری طرف دادا کے اوپر اسکے لئے کوئی وصیت

ف۱ بعض مولوی اس کوشش کی بھی مخالفت کرتے ہین کیونکہ انکے خیال مین اس سے حقدارون کا حق زائل ہوتا ہی؛

بھی فرض نہین کرتی،

اس صورت کو پیش نظر رکھکر یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ یہ قانون اس شفقت اور رحمت کے کہانتک مطابق ہے، جو اسلام سلمانون مین پیدا کرنا چاہتا ہے، اسلام تو سراسر رحم و مہربانی ہی ہمارے ہادی اسلام صلے اللہ علیہ وسلم دنیا والون کے لئے رحمت اور بالخصوص یتیمون اور بیکسون کے لئے شفیق والدین سے بڑھکر تھے، آپ دنیا مین خود یتیم پیدا ہوے تھے، اور ابتدا ہی سے یتیمون سے اسقدر محبت اور الفت رکہتے تھے کہ جب مکہ معظمہ کی گلیون سے گذرتے تھے تو یتیم بچے اپنی دولت سمجھکر دوڑ دوڑ کے قدمون سے لپٹ جاتے تھے، چنانچہ آپکے چچا نے آپکی مدح مین جو اشعار کہے تھے، ان مین سے ایک شعر یہ تہا،

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

نورانی چہرہ والا جسکی برکت سے بارش طلب کیجاتی ہی یتیمون کا سرپرست اور بیواؤن کا نگہبان

تقریباً اسی مضمون کو مولانا حالی مرحوم نے اس بند مین باندہا ہے،

وہ نبیون مین رحمت لقب پانے والا مرادین غریبون کی برلانے والا
مصیبت مین غیرون کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کہانے والا
فقیرون کا ملجا، یتیمون کا ماوی
ضعیفون کا حامی غریبون کا مولیٰ

کسی دوسرے ملک مین شاید یہ قانون اسقدر مضرت رسان نہ ثابت ہو جسقدر کہ ہندوستان مین ہے اسلئے کہ یہان سلمانون مین بھی خاندان مشترکہ کا رواج ہے، یعنی پشتہا پشت تک لوگ ایک ساتھ رہکر زندگیان گذارتے ہین[۱]، اور بیٹون کی جو کچھ کمائی ہوتی ہے وہ جب تک باپ زندہ رہتا ہے، اسی کی ملکیت مین منضم ہوتی جاتی ہے،

[۱] چنانچہ خود راقم کی پانچ پشتین ایک ساتھ رہتے گذر گیئن اور اب بھی وہ اپنے بنی اعمام ہی کا ہم ملک و ہمخانہ و ہم پیالہ و ہم نوالہ ہے

اب اگر اتفاق سے کوئی بیٹا باپ کی زندگی ہی مین اپنا بچہ چھوڑکر مرجاتا ہے تو چونکہ اسکی کوئی جداگانہ ملکیت قائم نہین ہوتی اسلئے اسکا کچھ ترکہ ہی نہین قرار پاتا، اور سارا مال و منال بچہ کے دادا کے قبضہ و تصرف مین رہتا ہی پھر جب دادا مرتا ہی تو دوسرے حصہ دار بیچ مین آکر حائل ہوجاتے ہین، جنکی وجہ سے وہ یتیم بچہ محجوب قرار پاجاتا ہے، اور خود اسکے باپ کے گاڑہے خون کی کمائی دوسرون کے ہاتھ مین چلی جاتی ہے

اب ہم اس مسئلہ پر تفصیلی بحث شروع کرتے ہین، جس سے اسکی پوری حالت منکشف ہوجائیگی، اور معلوم ہوجائیگا کہ آیا یتیم اولاد حقیقت مین محجوب ہے بھی یا نہین، ہم جہانتک غور کرتے ہین، قرآن اور حدیث تو خیر خود فقہ بھی اصولاً انکو محجوب نہین کرتی ہے، فقہا نے حجب حرمان کو صرف دو اصول پر مبنی قرار دیا ہے،

(۱) جو شخص مورث کے ساتھ کسی دوسرے شخص کے واسطہ سے رشتہ رکھتا ہی تو جب تک وہ درمیانی شخص موجود ہی یہ وراثت نہین پا سکتا،

(۲) الاقرب فالاقرب۔ یعنی قریب کا رشتہ دار دور کے رشتہ دار کو محروم کرتا ہے، اصل الفاظ سراجی کے یہ ہین،

وھو (حجب الحرمان) مبنی علی اصلین احدھما ان کل من یدلی الی المیت بشخص یورث مع وجود ذالک الشخص ..... والثانی الاقرب فالاقرب

حجب حرمان دو اصول پر مبنی ہے، پہلا یہ کہ جو شخص کسی کے واسطہ سے قرابت رکھتا ہی تو اس واسطہ کی موجودگی مین وارث نہین ہوگا، اور دوسرا الاقرب فالاقرب ہے

پہلا قاعدہ جسکو مختصر لفظون مین یون کہہ سکتے ہین،

واسطہ کی موجودگی مین ذی واسطہ وارث نہین ہوتا،

یتیم پوتے کو کسی طرح محروم نہین کرتا، اسلئے کہ پوتے کو دادا کے ساتھ جو رشتہ ہی وہ بواسطہ اپنے باپ کے ہے، اور جب جو واسطہ تہا موجود ہی نہین ہی تو پھر پوتا کیون محروم ہونے لگا،

دوسرا قاعدہ الاقرب فالاقرب ہے، اسی مین غلط فہمی واقع ہوئی ہے، اسکے ظاہری معنی کا خیال کرکے لوگون نے یہ سمجھا کہ بیٹا جو قریبی رشتہ دار ہے، یتیم پوتے کو جو اس سے دور کا رشتہ دار ہے محجوب کردیگا،

دراصل یہی اور صرف یہی ایک قاعدہ ہے جسکی بنیاد پر یتیم اولاد محجوب قرار دیجاتی ہے، لہذا ہم اپنی تمام بحث کا مرکز بھی اسی قاعدہ کو قرار دیتے ہین، اگر یہ قاعدہ الاقرب فالاقرب اپنے ظاہری معنون مین رکھا جائے یعنی یہ کہ مطلقاً درجہ کے لحاظ سے جو قریب ہو وہ بعید کو محروم کردے تو وراثت کے بہت سے مسلمہ اور اجتماعی مسائل ٹوٹ جائین گے۔

مثال نمبر ۱، میت زید مسئلہ ۶

دادا	بیٹا
۱	۵

اس مثال مین بیٹے کی موجودگی مین دادا کو حصہ ملا ہے حالانکہ بیٹا میت سے بہ نسبت دادا کے اقرب ہے، کیونکہ بیٹا بلا واسطہ اس سے رشتہ رکھتا ہے، اور دادا بواسطہ باپ کے اسکا رشتہ دار ہے۔

مثال نمبر ۲، میت زید مسئلہ ۶

باپ	بیٹا	پرنانی
۱	۴	۱

یہان بیٹے اور باپ کے ہوئے پرنانی حصہ لیگی جو نہایت دور کی رشتہ دار ہے،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہی تعجب تہا کہ بہتیجا پھوپھی کا وارث ہوتا ہے، اور پھوپھی بہتیجے کی وارث نہین ہوتی،[1] لیکن اگر موجودہ فقہ انکے سامنے ہوتی تو انکو اور بھی حیرت ہوتی کہ نانی بلکہ پرنانی تک تو نواسے کے ترکہ مین سے حصہ پاتی ہے اور نواسا ان مین سے کسی کا بھی ترکہ نہین پاتا،[2] دادا محجوب الارث پوتے کا وارث ہوتا ہے، اور محجوب الارث پوتا دادا کا وارث نہین ہوتا،

[1] چنانچہ کنز العمال مین ہے کہ وہ پھوپھی اور خالہ کو محروم نہین کرتے تھے [2] تعجب پر تعجب یہ ہے کہ ماں جو کمزور وارث ہے وہ تو دادی کو محروم کردیتی ہے اور باپ جو قوی وارث ہے نانی کو نہین محروم کرسکتا،

مثال نمبر ۳، میت زینب مسئلہ ۶

شوہر	ماں	دو اخیافی بہائی	دو حقیقی بہائی	دو علاتی بہائی
۳	۱	۲	محروم	محروم

اس مثال مین کسی قاعدہ کا لحاظ نہین رکہا گیا، حجب حرمان کا پہلا قاعدہ یہ چاہتا تہا کہ دونون مادری بہائی جو ماں کے واسطہ سے رشتہ رکھتے ہین اسکی موجودگی مین محروم ہون لیکن نہین ہوئے، دوسرا قاعدہ بھی یہی چاہتا تہا کہ ماں جو قریبی رشتہ دار ہے، مادری بہائیون کو محروم کردے لیکن نہین کرسکی، حقیقی اور علاتی بہائی جو قوت قرابت کے لحاظ سے اقوی اور اقرب تھے، وہ بھی اخیافون کو نہین محروم کرسکے بلکہ انکی وجہ سے اُلٹے خود محروم ہوکر کہنے لگے،

یہان ہم بدنصیبون کے جو حصہ مین نہین آتی الٰہی رہ گئی کیا خوبی قسمت وہین بنکر

دنیا مین کون شخص ہے جو کہہ سکتا ہے کہ حقیقی بہائیون کو محروم کرکے اخیافی بہائیون کو حصہ دیدینا جو زیادہ تر اپنے کنبہ کے بھی نہین ہوتے، کسی معقول قانون وراثت پر مبنی ہے،[1] یہ سوچنے کی بات ہے کہ

[1] اصل بنیاد اسکی یہ ہے کہ اس آیت مین "وان کان رجل یورث کلالۃ او امرءۃ ولہ اخ او اخت" ابی بن کعب کی قراۃ کے مطابق اخ - اخت کے بعد "لاُم"، کا اضافہ کرکے فقہانے اخیافیونکو ذوی الفروض مین داخل کردیا، اسلئے حقیقیون سے جو عصبہ ہین اُنکا حق مقدم ہوگیا،

لیکن اس آیت کے جو معنی قرار دیئے گئے ہین وہ بوجوہ ذیل ٹھیک نہین،

۱- ابی بن کعب جنکی قراۃ کے مطابق معوذتین قرآن سے خارج ہین، انکے "لاُم"، قرأت کی روایت جہانتک ہمکو معلوم ہے بیہقی نے لکھی ہے، جنکی تصنیفات کتب حدیث مین طبقہ ادنیٰ کی ہین،

۲- یہ قراۃ بمقابلہ قراۃ متواترہ کے بالاتفاق تمام امت کے نزدیک نامقبول ہوئی، اور کسی نے لاُم نہین پڑھا، لہذا اس سے استدلال کرنا اسکو ایک ساتھ ہی نامقبول اور مقبول دونون قرار دینا ہے،

جس رشتہ سے اخیافی وارث بنائے گئے ہین، حقیقیون مین اگرباپ کے رشتہ کا نہ بھی خیال کیا جاے تو کم سے کم وہ رشتہ توضرور موجود ہے پھر انکومحروم کرنیکے کیا معنی[ا] ! خود فقہا بعض جگہ دو قرابت والون کو ایک قرابت والے سے اقوی قرار دیکر حصہ دلاتے ہین، لیکن یہان اسکے برعکس معاملہ ہے،

مثال نمبر۴، مسـ زید مسئلہ ۱۸

دو بیٹیان	دو پوتیان	پڑوتی	سکڑوتی	سکڑوتا
۱۲	۲	۱	۱	۲

اس مسئلہ تشبیب مین بیٹیان اقرب ہین، انکی موجودگی مین پوتی، پڑوتی، سکڑوتی سب کو محروم ہونا چاہیے، لیکن بخلاف اسکے پوتی، پڑوتی، سکڑوتی، سکڑوتا جو سب نیچے اوپر مختلف درجہ کے ہین آپس مین ایک دوسرے کے بھائی بہن قرار دیئے گئے، اور سبکو ترکہ مین سے حصہ ملگیا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ دیگر) فقہا اور مفسرین "لہ" کی واحد مذکر غائب کی ضمیر کو رجل اور امراۃ دونون کی طرف راجع کرتے ہین جمین سے امراۃ مونث حقیقی ہے وہ کبھی اسکا مرجع ہو ہی نہین سکتی، اس صورت مین لھما یا لکل واحدٍ منھما چاہیئے تھا علاوہ برین 'یورث' کے بعد منہ بلاوجہ بڑہانا پڑتا ہے،

۴ - توریث کلالہ والی آیت مین جو آخر سورہ مین ہے، لخ ۔ اخت کے الفاظ بعینہ یہی ہین، وہان انکو اولاد والا حصہ دیا گیا ہے، اس آیت مین بھی اگر بھائی اور بہن ہی کا حصہ ہوتا تو اس سے اختلاف نہوتا، آیت کے کھلے ہوے معنی یہ ہین :-

"اگر کوئی مرد کسی کلالہ کا وارث بنایا جاے یا کوئی عورت بحالیکہ اس کلالہ کے کوئی بھائی یا بہن ہو تو اس مرد یا عورت مین سے ہر ایک کو ایک ایک سدس ملیگا،

"لہ" کی ضمیر کا مرجع کلالہ ہے، اور لکل واحد منھما مین تثنیہ کی ضمیر رجل و امراۃ کی طرف راجع ہے نہ کہ اخ و اخت کی طرف، یہان بھائی یا بہن کا حصہ مطلقاً بیان نہین کیا گیا ہے بلکہ اللہ تعالے نے نسبی اور سببی رشتہ دارون مثلاً مولی الموالات یا معقلہ بالنسب وغیرہ کا حصہ بیان کیا ہے، یورث باب افعال سے ہے مجرد سے نہین ہے،

[ا] امام مزنی کی کتاب المختصر مین ہے کہ اس صورت مین حضرت عمر حقیقیون کو نہین محروم کرتے تھے،

لیکن ایک بدبخت یتیم پوتا ہی ہے جو اپنے باپ کی عدم موجودگی مین اسکے بجاے اپنے چچا کا بھائی نہین قرار دیا جا سکتا،

لبت شکر مستان داد و چشمت مے بہ میخواران ۔ منم کز غایتِ حرمان نہ با آنم نہ با اینم

ان متعدد اور مختلف قسم کی مثالون سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ قاعدہ الاقرب فالاقرب اپنے ظاہری معنی مین یعنی یہ کہ مطلقاً درجہ کے لحاظ سے جو قریب ہے وہ بعید کو محروم کردے نہین لیا جا سکتا ورنہ تمام اعتراضات مذکورہ وارد ہوتے ہین،

ان اعتراضات سے بچنے کیلئے یہ جواب دیا گیا کہ یہ قاعدہ یعنی الاقرب فالاقرب صرف عصبات مین ہے ذوی الفروض مین جاری نہین ہوتا، لیکن پھر اسپر بھی اعتراضات پڑتے ہین کہ اچھا بالفرض اگر یہ قاعدہ صرف عصبات مین ہے اور ذوی الفروض مین نہین ہے تو جدات جو ذوی الفروض ہین، ان مین قریب بعید کو کیون محروم کرتی ہے، چنانچہ سراجی مین ہے،

والقربیٰ من ای جھۃ کانت تحجب البعدیٰ من ای جھۃ کانت ۔ جدہ قریبہ خواہ کسی طرف کی ہو جدہ بعیدہ کو خواہ کسی طرف کی ہو محجوب کردیگی،

نیز بیٹیان پوتیون کو اور حقیقی بہنین جب ذوی الفروض ہوتی ہین تو علاتی بہنون کو کس قاعدے سے محروم کرتی ہین؟

ان اعتراضات سے مجبور ہو کر پھر فقہا نے تسلیم کیا کہ الاقرب فالاقرب کا قاعدہ ذوی الفروض مین بھی ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جن رشتہ دارون کی وراثت کا سبب متحد ہے، ان مین قریب بعید کو محجوب کرتا ہے، یعنی مان، نانی، پڑنانی، دادی، پڑدادی، ان سب کے وارث ہونیکا سبب "امومت" ہے جو سب مین یکسان پایا جاتا ہے، اسلئے ان مین سے جو قریب ہوگی وہ بعید کو محروم کردیگی، نیز بیٹیون اور پوتیون مین بھی سبب وراثت متحد ہے، یعنی "بنتیت" اس وجہ سے بیٹیون کی موجودگی مین پوتیان محروم ہوجائنگی، علی ہذا حقیقی بہنین بھی بوجہ اتحاد سبب وراثت اور قرب کے علاتی بہنون کو محجوب کردینگی ۔

یہانتک اگر فقہا اس بحث کو ختم کردیتے ہین، اور گویا یہ قاعدہ دوم یعنی الاقرب فالاقرب اُنکے خیال مین اپنی جگہ پر مضبوط اور مستحکم ہوگیا، لیکن ابھی اعتراضات اور باقی ہین اور بلا اسکے جوابات دیے ہوے یہ عقدۂ مشکل حل نہین ہوسکتا،

پہلا اعتراض یہ ہے کہ اتحادِ سبب وراثت کو جب ترکہ دلانے مین دخل نہین ہے تو محروم کرنے مین کیسے دخل ہوگیا، مثال نمبر۳ مین اخیافی بھائیون مین جو سبب وراثت پایا جاتا ہے وہی حقیقیون مین بھی موجود ہے، پھر بھی حقیقی محروم کیے گئے اور اخیافیون کو ترکہ دیا گیا،

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اتحادِ سبب وراثت کو حجب حرمان مین اگر کوئی دخل ہے تو پھر ذوی الفروض کے ساتھ اسکو کیا خصوصیت ہے، عصبات مین بھی یہی شرط لگانی چاہیئے،

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اچھا ہم نے آپکے اس مشروط قاعدہ کو تسلیم کرلیا کہ ذوی الفروض مین الاقرب فالاقرب کا قانون اسوقت جاری ہوگا، جب ان مین سبب وراثت متحد ہوگا، لیکن مندرجہ ذیل مثالون مین یہ قاعدہ بھی ٹوٹ جاتا ہے،

مثال نمبر۱ میت زید مسئلہ ۶

بیٹی	پوتی	بھتیجا
۳	۱	۲

یہان بیٹی اور پوتی کا سببِ وراثت متحد ہے، اور وہ دونون ذوی الفروض مین سے ہین، پھر بھی بیٹی جو اقرب ہے پوتی کو محروم نہین کیا،

مثال نمبر۲ میت زید مسئلہ ۶

حقیقی بہن	علاتی بہن	بھتیجا
۳	۱	۲

اس صورت مین بھی حقیقی اور علاتی بہنون کی وراثت کا سبب متحد ہے، اور دونون ذوی الفروض ہین، چاہیئے تھا کہ حقیقی علاتی کو بوجہ اقرب ہونے کے محجوب کرتی،

علاوہ برین عصبات مین جہان آپنے قاعدہ الاقرب فالاقرب کو بلا کسی قید کے رکھا ہے وہان ہم دیکھتے ہین کہ باوجود اتحاد سبب وراثت کے بھی قریب بعید کو محجوب نہین کرتا، مثلاً مسئلہ تشبیب کو لیجیے جو مثال نمبر۴ مین دکھلایا گیا ہے اسمین پوتی، پڑپوتی، سکڑپوتی سبکے وارث ہونیکا سبب متحد ہے بلکہ چونکہ وہ سب کی سب سکڑپوتے کی وجہ سے عصبہ بنائی گئی ہین، اسوجہ سے انکے عصبہ ہونیکا بھی سبب ایک ہی ہے، پھر بھی ان مین قریب نے بعید کو محجوب نہین کیا، بلکہ ان سبکو ایک ہی درجہ مین رکھکر یکسان حصہ دیدیا گیا،

اسی طرح جب عصبہ اور ذوی الفروض کا باہم اجتماع ہوتا ہے تو کہین فقہ اس قاعدہ کو جاری کرتی ہے اور کہین نہین کرتی، بیٹا عصبہ کے ساتھ پوتی صاحبۂ فرض محروم ہوجاتی ہے، لیکن باپ عصبہ کے ساتھ نانی صاحبۂ فرض محروم نہین ہوتی،

الغرض یہ صاف روشن ہوگیا کہ الاقرب فالاقرب کا قاعدہ جس معنی مین فقہا نے استعمال کیا ہے کسی تاویل سے ٹھیک نہین ہوتا، بلکہ ہر پہلو سے خود انہین کے مسلمات سے ٹوٹ جاتا ہے، لہذا ایسے غیر مسلم قاعدہ سے یتیم اولاد کو محجوب کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے،

اصلیت یہ ہے کہ الاقرب فالاقرب کے قاعدہ مین اقرب کا ظاہری مفہوم اگر مراد لیا جاے یعنی یہ کہ مطلقاً درجہ کے لحاظ سے جو قریب ہو وہ بعید کو محجوب کردے تو یہ قاعدہ ایک قدم بھی نہین چل سکتا، یہان قرب سے بجز اسکے کچھ مراد نہین لیا جاسکتا کہ:-

اقرب وہ رشتہ دار ہے جو بلا واسطہ مورث سے رشتہ رکھتا ہو یا بالواسطہ، لیکن بروقت وفات مورث کے وہ واسطہ موجود نہو،

اس طرح کہ میت کے مرنیکے وقت اگر اسکا باپ موجود نہین ہے تو دادا بجاے باپ کے رکھا جاتا ہے، اسلیے کہ بیچ مین جو واسطہ تھا یعنی باپ جسکی وجہ سے دادا محجوب ہوجاتا تھا وہ نہین ہے، لہذا دادا اس واسطہ کی

عدم موجودگی سے خود اقرب ہوگیا، اور اب کوئی اقرب خواہ وہ بیٹا ہی کیون نہو دادا کو محجوب نہین کرسکتا،
اسی طرح مورث کی وفات کے وقت اگر اسکا کوئی یتیم پوتا ہے تو وہ اپنے متوفی باپ کی جگہ کھڑا ہوگا
اور وہی حصہ لیگا جو اسکے باپ کا تھا، مورث کا جو بیٹا موجود ہے وہ اسکو محجوب نہین کرسکتا اسلئے کہ
واسطہ کی عدم موجودگی سے وہ خود اقرب ہوگیا ہے،

تعجب ہے کہ دادا کے معاملہ مین تو فقہا اقرب کا یہی مفہوم لیتے ہین، لیکن پوتے کے معاملہ مین
نہین، پوتے کی بدنصیبی کے سوا اور اسکی کوئی وجہ ہماری سمجھ مین نہین آتی،

من ازین طالع شوریدہ برنجم ورنہ — بہرہ مند از سر کویت دگرے نیست کہ نیست

ایک بات یہ بھی غور کے قابل ہے کہ جس بیٹے کی موجودگی کی وجہ سے یتیم پوتے کو فقہا محجوب قرار
دیتے ہین، وہ بیٹا صرف ایک ہی طرف سے کیون حاجب ہوتا ہے، یعنی صرف پوتے ہی کو دادا کے
ترکہ سے کیون محجوب کرتا ہے، دادا کو اس پوتے کے ترکہ سے کیون نہین محجوب کرتا، بلکہ دادا کی وجہ سے
اُلٹا خود ہی محروم ہوجاتا ہے،

حاصل یہ کہ اقرب کا سوائے اسکے جو ہم نے اوپر لکھا ہے، اور کوئی مفہوم ہوہی نہین سکتا، اُنھی معنون مین
لینے سے الاقرب فالاقرب کا قاعدہ جو تقسیم وراثت مین اصل لاصول اور بنیادی قانون ہے، اپنی جگہ
ٹھیک بیٹھ جاتا ہے۔

محجوب پوتے کو وارث بنانے پر ظاہر مین جو شبہات ہوسکتے ہین، ہم انکو خود ہی لکھکر انکے جوابات
بھی دیدیتے ہین تاکہ اس مسئلہ کی اچھی طرح توضیح ہوجائے،

شبہہ اول

محجوب پوتے کو قرآن شریف کی رو سے کیسے ترکہ دیا جاسکتا ہے اسمین تو کہین پوتے کا ذکر نہین
صرف اولاد کا لفظ ہے جسکے معنی بیٹا بیٹی کے ہین۔

جواب

اسکا الزامی جواب یہ ہے کہ غیر محجوب پوتون کو فقہا بھی تو ترکہ دلاتے ہین، پس جو آیت انکی وراثت کی
دلیل قرار دیجائیگی وہی ہماری بھی دلیل ہوگی،

تحقیقی جواب یہ ہے کہ اولاد کا لفظ جو قرآن شریف مین ہے اسکے معنی صرف بیٹا بیٹی کے نہین ہین بلکہ
نیچے تک تمام اولاد اسمین داخل ہے، اولاد کی اولاد بھی اولاد ہی ہے، تفسیر خازن مین آیت "ولھن الربع
مما ترکتم" کے ذیل مین لکھا ہے،

اسم الولد یُطلق علی الذکر والانثی ولا فرق بین الولد وولد الابن ولد البنت فی ذالک،

ولد کا لفظ مذکر و مونث دونون کے لئے بولا جاتا ہے اور اسمین اولاد، اور بیٹے کی اولاد، بیٹی کی اولاد مین کوئی فرق نہین،

فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱۲ صفحہ ۸ مطبوعہ مصر مین ہے،

الولد اعم من الذکر والانثی ویطلق علی الولد الصلب وعلی ولد الولد وان سفل

ولد کا لفظ مذکر اور مونث دونون سے عام ہے اور صلبی اولاد اور نیچے تک اولاد کی اولاد پر بولا جاتا ہے،

فقہا بھی اسکے ساتھ متفق ہین، اور ولد مین ولد الابن کو داخل سمجھتے ہین، شریفیہ شرح سراجی صفحہ ۲۶
مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ مین ہے،

ولد الابن داخل فی الولد لقولہ تعالے یابنی ادم،

اولاد مین بیٹے کی اولاد بھی داخل ہے کیونکہ خدا تعالے نے بنی آدم کہا ہے،

آیت توریث مین جہان جہان بھی ولد کا لفظ آیا ہے، بجز ایک جگہ کے جو کلالہ والی آیت مین ہے
ہر جگہ بالاتفاق فقہا نے نیچے تک تمام اولاد نرینہ و مادہ کو اسمین داخل سمجھا ہے، مثلاً

فان کان لھن ولد فلکم الربع

اگر انکی (تمہاری بیویون کی) کوئی اولاد ہو تو انکے ترکہ

مما ترکن۔ ‏ مین سے تمکو چوتھائی ملیگا،

فقہا مین سے ایک نے بھی یہ نہین کہا ہے کہ بیویان جب بیٹا یا بیٹی چھوڑ کر مرین، اسیوقت شوہرون کو چوتھائی ملیگا، بلکہ سب کا اتفاق ہے کہ بیوی، پوتا، پوتی، پڑپوتا، پڑپوتی کسی کو بھی اگر چھوڑے تو شوہر کو چوتھائی ملیگا، آیت توریث کلالہ مین جو ایک جگہ ہم نے مستثنیٰ کی ہے وہان بھی فقہا نے اپنے ایک قرار دادہ اصول سے مجبور ہو کر (جو بہت کچھ بحث کے قابل ہے) صرف نرا اولاد کو مراد لیا ہے پوتا وہان بھی خارج نہین ہے اولاد تو پھر بھی ایک عام لفظ ہے ابن و بنت کے الفاظ جو عربی زبان مین خاص بیٹا بیٹی کے لئے وضع کئے گئے ہین، وہ بھی قرآن شریف مین کئی جگہ وسیع معنون مین مستعمل ہوئے ہین، اور نیچے تک کی تمام اولاد کو شامل ہین، جا بجا قرآن شریف مین اللہ تعالیٰ نے ہمکو "یا بنی آدم" کہکر خطاب کیا ہے بیسیون نسلین حضرت یعقوب کی گذر گئی ہین، لیکن انکی اولاد قرآن مین یا بنی اسرائیل کہکر پکاری گئی، دور کیون جایئے خود آیت وراثت ہی کے ایک رکوع کے بعد ہے، حرمت علیکم امہاتکم و بناتکم یہان بنات کے لفظ کو تمام فقہا نے بیٹیون، پوتیون، پڑپوتیون یہانتک کہ نواسیون پر بھی شامل تسلیم کیا ہے، اسلئے آیت وراثت مین جو اولاد کا لفظ ہے اسمین یقیناً پوتا داخل ہے اور کسی طرح خارج نہین ہو سکتا۔

شبہہ دوم

جب محجوب پوتے کو وراثت دلائی جاتی ہے تو پھر سب پوتے برابر ہین، ہر ایک کا رشتہ دادا کے ساتھ یکسان ہے، لہذا صرف وہی پوتا کیون دادا کا ترکہ پاے جسکا باپ دادا سے پہلے مرگیا ہے، وہ پوتے بھی کیون نہ وارث ہون جنکے باپ موجود ہین،

جواب

جن پوتون کے باپ موجود ہین، اصل مین محجوب وہی پوتے ہین، کیونکہ انکے باپ خود انکے اور انکے دادا کے درمیان حاجب ہین، نہ وہ دادا کا ترکہ پوتے کو پہنچنے دیتے ہین اور نہ پوتے کا ترکہ دادا کو بلکہ دونون

طرف سے بیچ مین خود ہی وارث بنجاتے ہین، اسلئے وہ پوتے جنکے باپ موجود ہین دادا کے مرنے پر اقرب نہین ہو سکتے، بخلاف اس پوتے کے جسکا باپ مرگیا ہے کیونکہ واسطہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ دادا کا اقرب ہو جائیگا، اسلئے وارث ہوگا، بعینہ اسکی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی شخص نانی، دادی اور باپ کو چھوڑ کر مرجاے، ظاہر ہے کہ دادی کو میت کے ساتھ جو رشتہ ہے وہ کسی طرح پر نانی کے رشتہ سے کم نہین ہے، لیکن بوجہ اسکے کہ باپ درمیان مین حاجب موجود ہے دادی محجوب ہو جاتی ہے اور نانی حصہ پا جاتی ہے، کیونکہ نانی اور مورث کے درمیان کوئی حاجب موجود نہین ہے،

شبہہ سوم[۱]

بیٹا اور پوتا دونون عصبہ ہین، اور عصبات مین یہ قاعدہ ہے کہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ "اولی رجل ذکر" یعنی قریب ترین مرد تر کو دیا جاتا ہے، اسلئے بیٹے کے ہوتے ہوے اس قانون کی رو سے یتیم پوتے کو کچھ نہین ملیگا،

جواب

اگر عصبات مین "اولی رجل ذکر" کو آپ بطور قانون کلی کے قرار دیتے ہین تو خود کیون اسکو جا بجا توڑتے ہین، مثلاً،

میت زید مسئلہ ۳

دو بیٹیان	بہن	بھتیجا
۲	۱	محروم

اس مثال مین بیٹیان ذوی الفروض ہین، انکو دو ثلث دینے کے بعد جو کچھ بچا تھا وہ اس قاعدہ کی رو سے بھتیجے کو جو اقرب ترین مرد نر ہے ملنا چاہیئے تھا، لیکن وہ تو محروم کر دیا گیا، اور بہن جو زن مادہ ہے بقیہ کی وارث ہوگی، علی ہذا مسئلہ تشبیب یعنی مثال نمبر ۴ کو دیکھئے اسمین مرد نر اور زن مادہ سبکو یکساں وارث بنایا گیا ہے

[۱] یہ شبہہ علماے اہل حدیث کی طرف سے کیا گیا ہے،

کیا قانون کلی ایسی ہی ہوا کرتے ہین جو قدم قدم پر ٹوٹ جایا کرین ؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث؛ الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھی لاولی رجل ذکر، ذوی الفروض کو انکے حصے دیکر بقیہ قریب ترین مرد کو دیدو؛ کسی خاص مسئلہ کے متعلق فرمائی گئی ہے، مثلاً یہ صورت فرض کیجیے کہ کوئی شخص ماں، بیٹی، باپ، چچا، اور بھائی کو چھوڑ کر مرگیا، اسکے بارہ مین یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ ذوی الفروض کے حقوق دیکر جو کچھ بچے قریب ترین مرد کو دیدو، لیکن اسکو ایک عام اصول قرار دے لینا صریحاً قرآن کے منافی ہے مثلاً

مثال نمبر۱ میت زید مسئلہ ۶ / ۱۸

ماں	بیٹی	بیٹا
۳	۵	۱۰

یہان ماں کو ایک ثلث دینے کے بعد آپکے اس قانون کلی کے مطابق بقیہ پانچ ثلث بیٹے کو ملنا چاہیئے، لیکن قرآن شریف اسکے برخلاف اس صورت مین بیٹا اور بیٹی دونوں کو وارث بناتا ہے اور بیٹے کا نصف بیٹی کو دلاتا ہے،

مثال نمبر۲ میت زید مسئلہ ۶

ماں	بیٹی	بہن	بھائی
۳	۹	۲	۴

اس صورت مین ماں اور بیٹی جو ذوی الفروض ہین، انکا حصہ دینے کے بعد بقیہ بھائی کو ملنا چاہیئے، کیونکہ وہ "اولی رجل ذکر" ہے، لیکن قرآن شریف بھائی اور بہن دونوں مین للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق ترکہ تقسیم کرنیکا حکم دیتا ہے، اب سوچیے کہ یہ حدیث جسکی صحت پر تمام اہل سنت والجماعت متفق ہین قانون کلی قرار دینے سے قرآن شریف کے خلاف پڑتی ہی اور غلط ہوئی جاتی ہی اسلیئے یقیناً یہ کسی خاص مسئلہ ہی کے متعلق ہو سکتی ہے یہان ایک امر اور غور کے قابل ہی کہ آپ جہان اسکو قانون کلی قرار دیتے ہین کہ بقیہ "اولی رجل ذکر" کو ملنا چاہیئے وہان اس حدیث کو بھی قانون کلی ہی سمجھتے ہین کہ اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنا دو اس مثال نمبر۲ مین بتایئے تو سہی کہ آپنے اپنے ان دونوں کلی قوانین مین سے کس پر عمل کیا ہی؟

اخبار وسیر

ابوالفدا کے حالات خود ابوالفدا سے

۲

(از جناب مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق دار المصنفین)

ہمنے اس مضمون مین بہت سی جزئی باتون کا بھی ذکر کیا ہے، تاکہ ابوالفدا کے متعلق ہمارے سوانح نگارون نے جو بخل کیا ہے اس کا کسی حد تک معاوضہ ہوجاے اور حقیقت تو یہ ہی کہ ہم چاہتے ہین کہ ابوالفدا نے اپنے متعلق جو کچھ بھی لکھدیا ہی اس کا ایک حرف بھی نہ چھوٹنے پائے،

حماۃ کی نوابی حماۃ بلاد شام کا ایک مشہور اور قدیم شہر ہے اور جیسا کہ ابوالفدا نے لکھا ہی اس کا ذکر حضرت داود اور حضرت سلیمان کے صحیفون مین کیا گیا ہی، اس کے بعد گھٹ کر ایک چھوٹا سا شہر رہ گیا، اور صرف مضافات مین اس کا شمار ہونے لگا، رومیون نے اس پر قبضہ کر کے اپنے دائرہ حکومت مین داخل کر لیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت مین اسکو مسلمانون نے فتح کیا اور اس وقت سے برابر یہ مختلف اسلامی حکومتون کے ماتحت رہا، سلطان صلاح الدین کے وقت سے مصر و شام اور عرب کا علاقہ ایوبی خاندان کے زیر حکومت تھا اور انکی طرف سے حماۃ کی نوابی ابوالفدا کے خاندان مین ایک مدت سے چلی آتی تھی، درمیان مین چند سال کے لیئے غیرون کا قبضہ ہوگیا تھا، ابوالفدا نے اپنے اس موروثی استحقاق کو اب دوبارہ حاصل کیا۔

ابوالفدا کو حماۃ کی امارت ایک والی کی حیثیت سے ملی، چنانچہ وہ خود کہتا ہے:

اعطیت حماۃ فی ھذہ المرۃ — یعنی اس مرتبہ حماۃ نیابت کے

علیٰ قاعدۃ النواب طور پر عطا ہوا۔

فرمان امیر سیف الدین قجلس، دمشق لیکر آیا، اور ابوالفدا اسکے ہمراہ چہارشنبہ کے دن ۱۸ جمادی الاخری کو حماۃ روانہ ہوا۔ اسندمر اسوقت تک حماۃ مین مقیم تھا اور ابوالفدا کی کامیابی پر اس قدر رنجیدہ تھا کہ جنگ پر بھی آمادہ ہو گیا تھا، ابوالفدا قاطع حمص مین پہنچا تو حماۃ کی تمام فوج نے آکر استقبال کیا۔ اسندمر اپنے غصہ کی وجہ سے نہین آیا تھا اور حماۃ ہی مین مقیم تھا کہ دربار سلطانی سے اس کا غلام جسکا نام سنقر تھا پہنچا، اور اسکو نہایت دقت سے لڑائی کے ارادہ سے باز رکھا، چنانچہ وہ حماۃ سے نکل گیا، اُسکے جانے کے بعد ابوالفدا اسی دن حماۃ مین داخل ہوا۔ اور الملک المظفر کے مکان مین اُترا، ۱۲ برس، ۵ ماہ، ۲۷ دن کی گردش کے بعد حماۃ کی حکومت پھر ایوبی خاندان مین واپس آئی۔

حماۃ کے اندر ابوالفدا کا داخلہ جس شان سے ہوا اب اس کو بھی سن لینا چاہیے۔

ابوالفدا نے رستن مین جو حماۃ کے قریب ہے اتر کر شاہی خلعت زیب تن کیا، سرخ اطلس کا جس کا استر زرد اطلس کا تھا اور اُس پر زردوزی کا کام بنا تھا، چوغا پہنا، شاش کی چادر اوڑھی مصری سونے کا پٹکا باندھا اور تلوار جسپر سونے کا کام تھا، کمر مین حمائل کر کے گھوڑے پر سوار ہوا شہر پہنچکر دربار منعقد کیا اور اس مین شاہی فرمان پڑھا گیا۔ امیر سیف الدین قجلس کو چالیس ہزار درہم دلوائے اور خلعت اور گھوڑے بھی دلئے[1]۔

یہ عجیب بات ہے کہ ابوالفدا کی ولادت اور امارت کا مہینہ ایک ہی ہے، یعنی وہ جمادی الاولی کے مہینہ مین دمشق مین پیدا ہوا اور اسی مہینہ اور اسی شہر مین اسکو حماۃ کی تقرری کا فرمان بھی ملا۔

[1] صفحہ ۶۲،

چند روز حماۃ ٹھہر کر سلطان کی ملاقات کے ارادہ سے مصر روانہ ہوا، اور باریابی حاصل کی، سلطان نے نذر قبول کر کے تحفے بھیجے، خلعت اور گھوڑا دیا، اور اس کے ساتھیون کو بھی خلعت دلئے[1]۔

ابوالفدا ذوالحجہ کی تیسری تاریخ کو حماۃ پہنچا تھا کہ کراى المنصوری نے آکر کہا کہ آپ کو میری اور شمس الدین سنقر کی مدد کے لیے لشکر لیکر حلب چلنا چاہیے تاکہ اسندمر کو اسکی شوخ چشمی اور ظلم کی پوری سزا دیجائے" چنانچہ ابوالفدا، ۹ تاریخ کو روانہ ہوا اور ۱۲ کی شب کو حلب پہنچکر اسندمر کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ صبح کو اسکے پیرون مین بیڑی ڈال کر مصر روانہ کیا اور اسکے گھوڑے، کپڑے، ہتھیار اور گھر کا تمام اثاثہ بیت المال مین لیکر داخل کر دیا[2]۔

ابوالفدا اور دوسرے امرا چند روز حلب ہی مین مقیم رہے۔ محرم ۷۱۱ھ مین جب قراسنقر حلب کا حاکم بنکر آگیا اسوقت ابوالفدا نے حماۃ کا رخ کیا، اور صفر کی ۴ کو حماۃ پہنچا[3]۔

۷۱۱ھ کے اخیر مہینون مین قراسنقر نے مہنا بن عیسیٰ امیر عرب سے کچھ سازباز کی، اور اپنی خودمختاری کا اعلان کرنا چاہا، سلطان کو خبر ہوئی تو اسکی سرکوبی کے لیے لشکر روانہ کیا، ابوالفدا بھی اپنا لشکر لیکر اسکے ساتھ ہوا[4]،

ابھی یہ تمام لشکر حلب مین جمع تھا کہ ۷۱۲ھ مین ایک اور سازش کا انکشاف ہوا۔ اور وہ یہ کہ اقوش افرم (سپہ سالار) بغاوت کرنا چاہتا ہے، اور قراسنقر سے سلمیہ مین مشورہ کر رہا ہے، یہ خبر پہنچی تو تمام امرا نے جنمین ابوالفدا بھی تھا متفقاً کہا کہ ہمکو سلمیہ اور حمص چلنا چاہیے، سلمیہ پہونچے تو افرم اور قراسنقر رحبہ بھاگ گئے، اس موقع پر ابوالفدا اور امیر سیف الدین قجلی وغیرہ نے انکا تعاقب کیا۔ لیکن چونکہ وہ لوگ رومیون کے حدود حکومت مین چلے گئے

[1] صفحہ ۶۲، [2] صفحہ ۶۲ و ۶۳، [3] صفحہ ۶۴ – [4] ایضا،

تھے اور امراء سلطنت کے پاس سلطان کا کوئی حکم نہ تھا اسلیے چندروز رحبہ ٹھہر کر واپس آئے، اور ابو الفدا صفر کی ۱۲ تاریخ کو حماۃ مین داخل ہوا[1]۔

حماۃ کی سلطانی مذکورۂ بالا واقعات مین ابو الفدا نے جس خیر خواہی اور وفاداری کے ساتھ سلطنت کی خدمت کی تھی اور جس تندہی کے ساتھ سلطنت کو شورہ پشتون سے بچایا تھا اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ سلطان ان خدمات سے متاثر ہو۔ چنانچہ جب ابو الفدا ربیع الاول کے مہینہ مین مصر روانہ ہوا تو سلطان نے اس کو کبش مین ٹھہرایا، اور قلعۃ الجبل مین اپنی ملاقات سے مشرف کیا، ابو الفدا، اسکی اولاد، اور اس کے تمام مصاحبون کو خلعت پہنائے، ابو الفدا کو ایک گھوڑا، تیس ہزار درہم اور پچاس جوڑے کپڑے عنایت کئے، اور اس کے ساتھ حماۃ، معرۃ اور بارین کی حکومت کا بادشاہ بنایا، اور ایک فرمان لکھوایا جسمین ابو الفدا کی خدمات کا علانیہ اعتراف کیا گیا تھا[2]۔

یہ فرمان بہت طویل تھا، ابو الفدا نے جابجا سے اسکو اپنی کتاب مین نقل کیا ہے تاہم اب بھی کچھ کم طویل نہین، اسلیے ہم اسکو قلم انداز کرتے ہین اسکی تحریر کی تاریخ ۲۵ ربیع الآخر ۷۱۲ھ تھی۔

سلطان نے اس مرتبہ ابو الفدا سے اُسکے عام حالات دریافت کرنا چاہے اور اسکی شکائتین سننا چاہین۔ لیکن وہ اجمالی طور پر ان کا تذکرہ کرکے خاموش ہورہا۔ سلطان سمجھ گیا کہ انکو (شاہی) غلامون سے (جو حماۃ مین مختلف محکمون کے امیر تھے) کچھ تکلیف پہنچی ہے، اسلیے اسنے ان لوگون کو ایک فرمان کے ذریعہ سے اطلاع دی کہ وہ حماۃ کی سکونت ترک کرکے حلب مین آباد ہون۔ چنانچہ ابو الفدا کے حماۃ پہنچنے سے قبل ان لوگون

[1] صفحہ ۶۶، [2] صفحہ ۶۷ و ۶۸،

نے شہر چھوڑ دیا تھا، یہ کامیابی اتنی بڑی کامیابی تھی کہ ابو الفدا کو ہمیشہ کے لیے تمام خرخشون سے نجات ملگئی، کیونکہ یہ لوگ اس فکر مین رہتے تھے کہ ایوبی خاندان کے بجاے حماۃ کی حکومت ہمکو مل جائے اور اس کے لیے مختلف تدبیرین اختیار کیا کرتے تھے،

ان مراحل کے طے ہونے کے بعد سلطان نے ابو الفدا کو حماۃ جانے کی اجازت دی اور وہ قاہرہ سے ۲ جمادی الاولی کو چلکر دمشق ٹھہرتا ہوا حماۃ پہنچا، یہان آکر دربار منعقد کیا اور اس مین سلطانی فرمان پڑھا گیا، یہ ۲۲ جمادی الاولی کا واقعہ ہے[1]۔

۱۰ رجب کو ابو الفدا اپنا لشکر لیکر حلب روانہ ہوا، تاتاریون کے خروج سے اسلامی ممالک مین ایک ہلچل پڑی ہوئی تھی، اور وہ رحبہ تک پہنچ بھی چکے تھے، اس وقت والی رحبہ کے غیر معمولی عزم و استقلال نے اس طوفان کو وہین روکا[2]۔

۷۱۳ھ مین سلطان دمشق آیا۔ ابو الفدا نذر لیکر خدمت مین حاضر ہوا جمعرات کے دن ۱۳ محرم کو سلطان کی ملاقات نصیب ہوئی، اور خلعت اور انعام ملا۔ حجاز کے سفر سے سلطان جو کچھ لایا تھا اس مین سے ایک سرخ و سفید پتھر اور طائف کے کچھ کپڑے طاشتمر کے ہمراہ ابو الفدا کے پاس بھجوائے[3]۔

اسی مہینہ مین معرہ کا علاقہ حماۃ سے نکلا، اور ابو الفدا کے پاس صرف حماۃ اور بارین کے علاقے رہ گئے، اسکی وجہ ابو الفدا نے یہ بیان کی ہے کہ وہ مملوک امراء جو حماۃ سے حلب بھیجے گئے تھے، انکی جاگیرین بندوبست نہونے کے باعث حماۃ کی حکومت سے وابستہ تھین، اور وہ حماۃ آنے کے لیے سخت مضطر تھے، اور اس لیے سلطان کے پاس ابو الفدا کی شکائتین لکھا کرتے تھے۔ لوگون کے ذریعہ سے اثر ڈالتے تھے، اور ابو الفدا

[1] صفحہ ۶۹، [2] صفحہ ۷۰، [3] صفحہ ۷۱،

کو معزول کرانے کی فکر مین رہتے تھے، اس کے علاوہ حکومت حموی اور حکومت حلبی کی سرحد
مین وقتاً فوقتاً تغیر ہوتا رہتا تھا، اِن وجوہ سے ابوالفدا کی خواہش تھی کہ معرہ حکومت حموی
سے بالکل علیحدہ ہوجاے اور جو کچھ علاقہ محفوظ رہے اس مین کسی کا کچھ حصہ نہو۔ اس کو
اسنے سلطان کے سامنے بھی پیش کیا، سلطان نے اول تو انکار کیا کہ تمھارا علاقہ کم ہوجائیگا
لیکن پھر بہت مشکل سے مانا اور ایک فرمان لکھوا دیا، اس کے بعد دوسرا خلعت دیا۔ اور
ایک علم عنایت کیا جسپر سلطانی پھریرا آویزان تھا۔ یہ علم ابوالفدا کی سواری کے ساتھ رہتا تھا
اور یہ وہ خصوصیت تھی جو ابوالفدا کے سوا اور امراء کو حاصل نہ تھی۔

۲۵ محرم کو وہ دمشق سے چلا اور اوائل صفر مین حماۃ پہنچ گیا[1]۔

اسی سال سلطان سے اجازت لیکر حج کی تیاری کی، اور اپنے لڑکے اور سامان
کو شامی قافلہ کے ہمراہ آگے روانہ کیا۔ سلطان نے ابوالفدا کے سفرخرچ کے لیے ہزار
دینار بھیجے اور حکم دیا کہ ان اطراف کے تمام حجاج ابوالفدا کے قافلہ کے ساتھ چلین، اور
ابوالفدا کو اختیار ہے کہ وہ محمل سلطانی کے آگے روانہ ہو، خواہ پیچھے، چنانچہ ابوالفدا نے
نہایت شکریہ کے ساتھ ان احسانات کو قبول کیا اور ۴ شوال کو جمعہ کے دن حماۃ سے
روانہ ہوا، سوارون کا رسالہ کرک تک ساتھ گیا، پھر وہان سے حماۃ واپس آیا۔ ابوالفدا
نے اپنے ہمراہ ۶ گھوڑے اور چند غلام جو تیر و کمان لگاے تھے ساتھ لیے۔ جمعہ کے دن
۲۰ ذوالقعدہ کو قافلہ مدینہ منورہ پہنچا، اور ابوالفدا نے روضۂ نبوی کی زیارت کا شرف
حاصل کیا۔ اس موقع پر وہ تنہا اندر گیا تھا۔ چند روز مدینہ مین مقیم رہ کر ۵ ذوالحجہ کو مکہ معظمہ
مین داخل ہوا۔ اور حج سے فراغت کرکے ۱۵ ذوالحجہ کو مکہ سے روانہ ہوا، اور ۱۱ محرم ۷۱۴ھ

[1] ابوالفدا ص ۷۲،

کو حماۃ پہونچگیا۔ حماۃ سے مکہ معظمہ تک تقریباً ۲۵ روز صرف ہوے اور اس درمیان مین
مدینہ منورہ، معلا، برکۃ زیزا۔ اور دمشق مین ۳ دن سے زائد قیام کیا۔ اس لحاظ سے خالص
ایام سفر کی تعداد ۲۵ سے گھٹ کر تقریباً ۲۲ دن رہ جاتی ہے۔

ابوالفدا کا یہ دوسرا حج تھا، پہلا حج اسنے ۷۰۳ھ مین کیا تھا[1]۔

اس سفر مین ایک اور بھی مصلحت تھی، حمیضہ بن ابونمی شریف مکہ سرکش ہوگیا تھا اور سلطان
سے قطع تعلق کرکے اسنے خود بادشاہت قائم کرلی تھی، اسلیے سلطان نے مکہ پر فوجکشی کرنی
چاہی اور ابوالفدا کو لکھا کہ تم حمیضہ کو جس طرح ہوسکے گرفتار کرلو۔ ابوالفدا لشکر لیکر پہونچا تو حمیضہ
بھاگ چکا تھا۔ چنانچہ اسنے حمیضہ کی جگہ ابوالغیث کو شریف بنایا اور مصری لشکر کو مکہ مین چھوڑا
جو دو ماہ تک وہان مقیم رہا۔ ابوالفدا نے مدینہ جو کسی قدر قیام کیا تھا اسکی وجہ بھی یہ تھی کہ وہ مصری
لشکر کے انتظار مین تھا[2]۔

اواخر جمادی الثانی ۷۱۴ھ مین وہ سخت علیل ہوا۔ اور زندگی کی امید منقطع ہوگئی اسلیے
وصیت کی، لیکن پھر خدا نے شفا عطا فرمائی[3]،

محرم ۷۱۵ھ مین ابوالفدا فرمان شاہی کے بموجب لشکر لے کر حلب گیا۔ ۱۳ کو وہان پہنچا
اور ۲۲ کو عساکر سلطنت کی معیت مین ملطیہ کے سامنے خیمہ زن ہوا۔ ملطیہ کے رئیس نے بلا
جنگ وجدل مصالحت کرلی، اس موقع پر ابوالفدا نے ایک نہایت ضروری خدمت انجام
دی۔ قاضی شہر اور روسا جب امان مانگنے آئے تھے تو شہر کا ایک پھاٹک کھولا گیا تھا
اتفاق سے وہ پھاٹک ابوالفدا کے کیمپ کے سامنے پڑتا تھا، اس کو خیال ہوا کہ کہین لشکر
شہر کو لوٹ نہ لے اسلیے امیر صارم الدین ازبک حموی کو چند آدمیون کے ساتھ پھاٹک

[1] ص ۳، [2] ایضاً ۴، [3] ص ۴۷،

کی حفاظت پر متعین کیا۔[1]

ابو الفدا نے اس لڑائی سے واپس آکر امیر سیف الدین تنکز سپہ سالار لشکر کی دعوت[2] کی

اس سال خلعت سلطانی آیا جسکو پہنکر ابو الفدا ۲ رجب کو جلوس کے ساتھ نکلا، خلعت

کے ساتھ ایک فرمان بھی تھا جس مین درج تھا کہ اسماعیلیون کی بالکل حمایت نہ کیجائے

اور انکو حقوق مین تمام رعایا کے برابر رکھا جائے[3]،

اسی سال ذو القعدہ کے مہینہ مین سلطان کے لڑکا پیدا ہوا اور تمام مصر و شام مین

خوشی منائی گئی، ابو الفدا نے بھی ایک نذر کے ذریعہ سے سلطان کی مسرت مین اضافہ کیا،

۷۱۶ھ مین ابو الفدا نے مصر کی تیاری کی، اور سوارون کا رسالہ آگے روانہ کیا، ۲۵ ربیع الآخر کو حماۃ سے نکلا۔ دمشق کے قریب سوار ملے انکے ساتھ کچھ دیر دمشق مین ٹھہر گیا۔

راستہ مین ہر جگہ سلطان کی طرف سے اسکی آسائش کا سامان کیا گیا تھا۔ چنانچہ ۸ جمادی الاولی

کو سفر ختم کرکے قاہرہ (مصر) پہنچا، اور کبش مین ٹھہرایا گیا۔ دوسرے دن سلطان سے

ملاقات ہوئی اور ۳ خلعت ملے۔ ساتھیون کو بھی خلعت عطا ہوے اور ایک فرمان لکھا

گیا جس مین تحریر تھا کہ "معرۃ اور اس کا تمام علاقہ ابو الفدا کو دیدیا گیا" چونکہ یہ بہت بڑی

کامیابی تھی اس لیے دفتر انشار کے ناظم شہاب الدین محمود نے ایک قصیدہ لکھکر پیش

کیا، جسکے ۴ شعر ابو الفدا نے اپنی کتاب مین نقل کیے ہین۔ تقریباً ایک ماہ قاہرہ مین مقیم

رہ کر ۴ جمادی الاخری کو حماۃ روانہ ہوا اور اپنے غلام طیدمر دوادار کو ڈاک سے آگے

بھیجا کہ اہل حماۃ کو اس اعزاز کی خبر پہنچا دے۔ اب کے راستہ مین پہلے سے بھی زیادہ

سامان تھا۔ غزہ پہنچکر زیارت کی غرض سے خلیل اور بیت المقدس ہوتا ہوا دمشق پہونچا

اور وہان سے حماۃ چلا۔ راستہ مین سوارون کو حلب بھیجدیا۔ اور چونکہ اسکو خبر ملگئی تھی کہ اہل حماۃ

نے اسکی آمد مین تمام شہر کو آراستہ کیا ہے اسلیے دن کے بجائے آدھی رات کو جریدہ و تنہا شہر

مین داخل ہوا[1]۔

ذو القعدہ کے مہینہ مین معرہ کا علاقہ پھر نکل گیا، اسکی وجہ یہ تھی کہ محمد بن عیسیٰ ایک امیر

نے اپنی اطاعت معرہ کے ملنے پر محول رکھی تھی[2]۔

۷۱۷ھ مین سلطان ناصر الدین شام آیا تھا، ابو الفدا نے اسکے پاس خود جانا چاہا،

لیکن سلطان نے صرف نذر کو کافی سمجھا اور ابو الفدا کو تاکید کی کہ وہ اپنے مستقر پر رہے۔

چنانچہ ابو الفدا نے طیدمر دوادار کے معرفت نذر بھیجدی[3]۔

جمادی الاول ۷۱۸ھ مین ابو الفدا مصر گیا۔ راستہ مین ہر جگہ سلطان کی طرف سے

انتظام کیا گیا تھا، ۱۲ جمادی الاخری کو سلطان سے ملاقات ہوئی اور خلعت ملے۔ یہان

اسکندریہ دیکھنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ ۲۴ کو کشتیون پر سوار ہوکر اسکندریہ روانہ ہوا۔ اور دو روز کے

بعد ۲۵ کو سفر کی منزل ختم ہوئی، وہان حکومت کی طرف سے نذر پیش ہوئی، ۲۷ کو جمعہ کے دن گھوڑون

پر سوار ہوکر خشکی کی طرف سے قاہرہ پہنچا۔ سلطان نے اس مرتبہ اور انعامات کے ساتھ معرہ کے چند

دیہات بھی عطا فرمائے اسکے بعد واپسی کی اجازت ہوئی اور وہ ۱۲ رجب کو مصر سے چلکر شعبان

کی پہلی کو حماۃ پہنچا[4]۔

۷۱۹ھ مین سلطان حج کے لیے تیار تھا، اسلیے جمال الدین عبد اللہ البریدی کی معرفت

ابو الفدا کو اپنی معیت کے لیے طلب کیا، وہ شوال کی ۱۶ کو حماۃ سے چلا اور ۲۴ کو قلعۃ الجبل

مین سلطان کی زیارت ہوئی۔ اب کے ابو الفدا قاہرہ مین کبش کے بجائے قاضی کریم الدین

[1] ابو الفدا ص ۷۵، [2] ص ۷۶، [3] ایضاً ص ۷۷،

[1] ص ۷۸ و ۷۹، [2] ص ۸۰ [3] ص ۸۲ [4] ص ۸۳ و ۸۴۔

کے مکان مین ٹھرا اور پھر سلطان کے ساتھ حجاز روانہ ہوا، راستہ مین سلطان شکار کھیلتا تو ابو
کے پاس جانورون کا گوشت بھیجتا تھا۔[1]

اس سفر مین سلطان نے ابو الفدا پر بہت سے احسانات کیے جنکو اسنے ایک مستقل عنو
کے تحت مین لکھا ہے، لیکن جو سب سے بڑا احسان تھا وہ یہ تھا کہ اس کو سلطان کا خطاب عطا فرما
اور اس کا وعدہ اسنے راستہ ہی مین کر لیا تھا۔ چنانچہ مصر پہنچکر اس کا ایفا، ہوا، امراء خاص
۲۰ امیر اور سلطنت کے دیگر عہدہ دار خلعت لیکر آے اور مدرسہ منصوریہ مین سب کا اجتماع
۱ محرم کو جمعرات کے دن ابو الفدا اس مجمع کے ساتھ قلعۃ الجبل روانہ ہوا، قلعہ کے قریب پہنچ
سب پا پیادہ ہو گئے لیکن ابو الفدا قلعہ کے دروازہ تک سوار رہا۔ پھر گھوڑے سے اتر کر زمین
اور فرمان شاہی کو بوسہ دیا، اور پھر کئی بار آستان بوسی کی، یہان صدر اعظم امیر سیف الدین ارغو
دوادار سے ملاقات ہوئی اور وہ سلطان کی بارگاہ مین ابو الفدا کو لے گیا۔ ابو الفدا اسنے یہان
بھی زمین چومی اور انعام واکرام سے مالا مال ہوا۔ سلطان اس سے جس شفقت و محبت سے
پیش آیا تھا اسکو وہ ان الفاظ مین بیان کرتا ہے۔

فاولانی من الصدقة مالا یفعله الوالد مع الولد، — اس نے مجھپر اس قدر احسانات کیے کہ باپ اپنے بیٹے کے ساتھ نہین کر سکتا۔

ان تمام مراحل کے بعد مکان جانے کی اجازت مرحمت ہوئی اور وہ گھوڑون کی ڈاک
پر حماۃ روانہ ہوا، خلعت ساتھ تھا۔ حماۃ کے قریب پہنچا تو اعیان ریاست نے آکر استقبا
کیا۔ یہان ابو الفدا نے خلعت پہنا اور ۲۶ محرم کو دن چڑھے شہر مین داخل ہوا۔ شہر مین فر
پڑھا جا چکا تھا اسلیے رعایا کو اس واقعہ کی اطلاع مل چکی تھی۔[2]

[1] ص ۸۵ - ۸۶ [2] ص ۸۷ - ۸۸،

سنہ ۲۰ ھ مین سلطان نے ابو الفدا کے بیٹے محمد کو خلعت دیا۔ طبلخانہ کی امامت تفویض
کی اور ۶۰ سوار اسکے تحت مین دیے، چنانچہ محمد اس خلعت کو پہنکر ۵ رجب کو حماۃ مین گھومایا گیا۔
اس وقت اس کا سن صرف ۹ سال کا تھا۔[1]

جمادی الاولی سنہ ۲۱ ھ مین فاطمہ خاتون بنت الملک المنصور کا انتقال ہوا، یہ ابو الفدا
کی عزیز اور بہت مخیر بی بی تھین۔[2]

اسی سال اسکو سلطان نے شکار کھیلنے کے لیے طلب کیا اور قلیوب مین ملاقات ہوئی
وہان چند روز ٹھر کر پھر ابو الفدا حماۃ واپس آیا۔[3]

سنہ ۲۲ مین پھر مصر گیا۔[4]

ذوالحجہ سنہ ۲۴ ھ مین سلطان کی خواہش پر مصر گیا اور اپنے لڑکے کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ یہان
وہ سلطان کے ساتھ شکار مین بھی رہا، سنہ ۲۵ ھ مین سلطان قاہرہ لوٹا تو ابو الفدا کو دستور
عنایت کیا، ساتھ ہی دو ہزار مثقال سونا، ۳ ہزار درہم، اور اسکندریہ کے بہترین کپڑون مین
سے سو کپڑے بھی دیے،[5]

سنہ ۲۶ ھ ۱۶ جمادی الاخری کو ابو الفدا کے غلام طیدمر کا انتقال ہوا۔ ابو الفدا کو اسکی موت
کا جسقدر صدمہ تھا وہ اسکے حسب ذیل فقرے سے ظاہر ہوتا ہے۔[6]

وجری علیّ لفقدہ الم عظیم رحمه الله تعم — اور اس کے مرنے سے مجکو حد درجہ قلق ہوا۔ خدا اسپر رحم کرے،

اسی سنہ مین اسنے سلطان کے حکم سے رحبہ پر لشکر بھیجا کیونکہ مہنا اور بہت سے عربون نے زراعت
تباہ کرنا شروع کی تھی اور بدامنی پھیلا رکھی تھی، اس مقصد کے لیے اسنے اپنے بھائی بدر الدین حسن اور
بھتیجے محمود (بن اسد الدین) کو منتخب کیا، چنانچہ یہ لوگ وہان کچھ روز رہکر ۲۱ ذی قعدہ کو حماۃ واپس آ

[1] ص ۸۹ [2] ص ۹۰ [3] ایضاً [4] ص ۹۱ [5] ص ۹۳ [6] ص ۹۴،

یہان آکر دونون علیل ہوے اور قضا کر گئے، بدرالدین اپنے بھائی کی جگہ ابوالفدانے اسکے ایک بچے کو امارت پر نامزد کیا، اور اسکی تربیت پر چند آدمی مقرر کر دیئے[1]۔

۷۲۶ھ مین سلطان نے شاہی اصطبل کے دو گھوڑے ابوالفدا کے پاس بھیجے۔ ایک گھوڑا جسکی زین سونے کی تھی ابوالفدا کا تھا، دوسرے کی زین چاندی کی تھی، وہ اسکے بیٹے کا تھا چنانچہ دونون باپ بیٹے ۱۳ رجب کو اُن پر سوار ہوئے[2]۔

۴ ذی قعدہ کو اپنے بیٹے کے ہمراہ شکار مین شرکت کی غرض سے مصر گیا، عیشہ پہنچا تھا کہ بیٹا بیمار ہو گیا ابوالفدا کو سلطان کے گھوڑے بیر بیضا مین ملے، اور سریا قوس مین آکر سلطان سے اس نے ملاقات کی، سلطان ہر قسم کی اسکی خاطرداری کرتا تھا۔ لیکن ابوالفدا کو اپنے بیٹے کی علالت سے سخت تشویش تھی، اسلیے اسکی طبیعت کسی طرح نہ لگتی تھی، یہ دیکھکر سلطان نے جمال الدین ابراہیم بن ابی الربیع رئیس الاطبا کو طلب کیا، اسکے علاج سے کسی قدر سکون ہوا تو سلطان سریا قوس سے روانہ ہوا اور قلعہ پہنچا ابوالفدا کے لیے کشتی بھیجی تو وہ بھی بیٹے کو لیکر سلطان کے پاس چلا گیا، اور گرمی کے پورے ایام جیزہ اور منوفیہ کی آراضی مین سلطان کے ساتھ بسر کئے، محرم ۷۲۸ھ مین قاہرہ آیا تو سلطان نے خلعت پہنایا جس مین ایک نہایت نفیس قبا بھی تھی، اسپر زردوزی کا کام تھا اور اتنی خوبصورت اور بڑہی ہی تھی کہ ویسی کہین نہ بنتی تھی[3]۔

قاہرہ سے پھر سریا قوس گیا اور وہان سلطان نے اس کو دوسرا خلعت دیا جس مین اسکے بیٹے کا خلعت بھی شامل تھا، سونے کی کچھ چیزین جس مین جواہرات جڑے تھے، کپڑے، تتکار کیے ہوے جانور اور ۳ ہزار دینار مصری اسپر مستزاد تھے، اسکے بعد حماۃ جانے کی اجازت ملی اور وہ ۲۲ ربیع الاول ۷۲۸ھ کو حماۃ پہنچا[4]۔

[1] ص ۹۵ [2] ایضا [3] ص ۹۶ و ۹۷ [4] ص ۹۸

یہان ایک روز قبل یعنی ۲۱ کو اسکی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اور اس وقت وہ حمص کے قریب تھا، ابوالفدا کو اپنی مان کے نہ دیکھنے اور جنازہ مین نہ شریک ہونے کا بڑا رنج رہا[1]۔

حماۃ مین چند روز مقیم رہکر سلطان سے بیت المقدس جانے کی اجازت لی اور بارین، بعلبک، کرک نوح، بیروت، صیدا۔ صور، اور عکا ہوتا ہوا بیت المقدس پہنچا۔ اور پھر خلیلؑ کی زیارت کر کے ۲۵ جمادی الاخری کو حماۃ واپس آیا[2]۔

۱۹ ذی قعدہ کو اس کا غلام اسنبغا فوت ہوا[3]،

۷۲۹ھ رجب کے مہینہ مین مقر سیفی ارغون حلب آیا، ابوالفدا اس سے ملنے کے لیے نکلا اور حمص اور رستن کے درمیان ملاقات ہوئی۔ یہ جمعرات کا دن تھا، رات کو ابوالفدا رستن مین اسکے پاس رہا۔ جمعہ کے دن اسکو اپنے ہمراہ حماۃ لایا، اور نماز کے بعد رخصت کیا[4]،

۲۳ رجب کو ابوالفدا کے گھر پوتا پیدا ہوا جسکا نام اسنے عمر بن محمد رکھا[5]،

وفات محرم ۷۳۲ھ مین ابوالفدا نے حماۃ مین وفات پائی، اس وقت اس کا سن کیا تھا؟ اسکو ہم اسکے سنِ ولادت سے معلوم کر سکتے ہین، فوات الوفیات مین لکھا ہے کہ اسوقت اس کا ۶۰ وان سال شروع تھا۔ اور وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ "مین ۶۰ برس پورے نہین کر سکونگا۔ کیونکہ میرے گھر مین کوئی بھی اس سن تک نہین پہنچا"۔ چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔

ابوالفدا نے تقریبًا ۲۰ برس تک حماۃ مین سلطنت کی، نیابت کا زمانہ اس مدت سے علیحدہ ہے[6]،

اولاد ابوالفدا کی اولاد مین محمد زیادہ مشہور تھا اور اس کا کئی جگہ ذکر آچکا ہے، باپ کی وفات کے بعد صفر ۷۳۲ھ مین تخت پر بیٹھا، اور الملک الافضل ناصرالدین لقب رکھا[7]،

———•———

[1] ص ۹۸ [2] ایضا [3] ص ۹۹ [4] ص ۱۰۰ [5] ایضا [6] ص ۱۰۴ [7] ایضا۔

ادبیات

فریادِ اکبر

مواعظ و عبر

اللہ کو جگہ دو تم اپنے دل مین اکبر — اللہ خود ہی دے گا تم کو جگہ دلون مین[1]

اللہ ہی کو سمجھو مقصودِ علم و دانش — اللہ ہی کو چاہو ہستی کی منزلون مین

خوف و رجا سے دیکھو ہر دم اُسیکا جلوہ — فطرت کے منظرون مین طاعت کے سلسلون مین

کرتے ہو ساتھ ادب کے جب ذکر تم خدا کا — ہوتے ہین خوش ملائک بھی اپنی محفلون مین

جو دین کے ہین عالم راہ خدا کے ہادی — تم سمجھو خود کو ناقص بس وہ ہین کاملون مین

مسلم شریکِ ملت ہو بھی جو غرق لغزش — کم وقت اپنا کاٹو طعنون مین اور گلون مین[2]

شامل تمھاری صف مین طاقت ہو وہ تمھاری — کافی ہو یہ نہین ہو وہ حق کے مبطلون مین

"رُحماءُ بینہم" پر رکھو نظر ہمیشہ — ہر چند یہ طریقہ ہے سخت مشکلون مین

ہنگامہ جو ہے شوقِ اعزاز و فکرِ روزی — کوشش کرو مگر تم شامل ہو عاقلون مین

اک بات ہمنے کہدی ورنہ یہ وقت وہ ہے

تم بھی ہو زخمیون مین ہم بھی ہین بسملون مین

---

[1] إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا - ترجمہ: بیشک جو لوگ ایمان لاے اور انہون نے اچھے کام کیے، خدا اُنکے لیے "محبت" پیدا کردیگا۔

[2] لَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ - ترجمہ: آپس مین طعنہ نہ دو ایک دوسریکا بُرا نام دھرا کرو، ایمان کے بعد بُرا نام دھرنا بُری بات ہے۔

مطبوعاتِ جدیدہ

اساس التعلیم فن تعلیم پر یہ ایک مفید و جامع کتاب جناب مولوی محمد عبد الحق صاحب بی اے ایل ایل بی منصف لکھنؤ نے مختلف مستند انگریزی تصنیفات و رسائل سے اخذ کر کے ہماری زبان مین لکھی ہے، یہ کتاب نو ابواب پر منقسم ہے، ۵ بابون مین دماغ، نظام عصبی، حواس، اعمال نفس، احساسات و ماحول وغیرہ مباحث کی تفصیل ہے جسکو اصل مقصود کے مبادی سمجھیے۔ چھٹے باب مین ڈاکٹر مانٹیساری کے اصول تعلیم کی تشریح ہے، ساتوین مین توجہ، اور آٹھوین مین حافظہ اور نوین مین بچون کی تنبیہ و تحسین کے مسائل پر تعلیمی نقطہ نظر سے بحث ہے۔ آخر مین مصطلحات کا فرہنگ ہے۔ یہ کتاب اس کاوش اور محنت سے لکھی گئی ہے کہ فلسفہ تعلیم اسپنسر کے ترجمہ کے بعد ہماری زبان مین اس موضوع پر کوئی کتاب تالیف نہین پائی۔

چھوٹی تقطیع کے ۱۷۰ صفحون پر کتاب ختم ہوئی ہے۔ لکھائی چھپائی متوسط قیمت عا پتہ: دفتر الناظر چوک لکھنؤ۔

مجموعہ کلام شبلی، مولانا ے مرحوم کے آخری زمانہ کے اُردو کلام کا مجموعہ انکی زندگی سے موقت تک کئی شائع ہو چکے ہین۔ لیکن سب ناتمام ہین۔ دفتر الناظر لکھنؤ نے مجموعہ کلام شبلی کے نام سے آخری مجموعہ شائع کیا جو تمام پچھلے مجموعون سے زیادہ مکمل ہے، ایک خاص بات یہ ہے کہ اس مین مثنوی صبحِ امید داخل کردی گئی ہے۔ ضخامت ۱۰۱ صفحہ، قیمت ۱۲ ار لکھائی چھپائی متوسط؛ پتہ: دفتر الناظر چوک لکھنؤ۔

اصحاب و ائمہ کرام، جناب نواب حاجی محمد اسماعیل خان صاحب ہر سال کوئی نہ کوئی علمی تحفہ اپنی قوم کو نذر کیا کرتے ہین۔ امسال انہون نے دو چھوٹے چھوٹے رسالے شائع کیے ہین جن مین سے ایک یہ ہے اس مین اردو خوانون اور انگریزی خوانون کے لیے مشاہیر صحابہ اور ائمہ کرام اور

کتب صحاح ستہ کے مختصر حالات لکھے ہین، قیمت شاید ۴ر ہو۔ ضخامت ۳۲ صفحہ، پتہ: عزیزی پریس آگرہ،

چند از صد ہزار چند، نواب صاحب موصوف نے اس دوسرے رسالہ مین ان مسلمان مصنفین کے مختصر حالات جمع کئے اور انکی تصنیفات کے نام لکھے ہین جو کثیر التصانیف ہین ضخامت ۲۴ صفحہ قیمت ۳ر - پتہ: عزیزی پریس آگرہ۔

مرشد، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کے زیر ادارت اس نام کا ایک نیا رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے مضامین زیادہ تر خود خواجہ صاحب کے لکھے ہوے ہوتے ہین انکے انداز بیان اور اسلوب تحریر کا جو خاص رنگ ہے اُس سے کون آشنائے ذوقِ اُردو واقف نہین، کوشش کی گئی ہے کہ انداز و اسلوب مین سیاسی، اخلاقی اور صوفیانہ مضامین لکھے جائین۔ قیمت عہ سالانہ، پتہ: درگاہ محبوب الٰہیؒ، دہلی

ثمرۃ الادب، طلبائے دار العلوم حیدرآباد کی انجمن ثمرۃ الادب کی طرف سے ایک ماہوار اُردو رسالہ زیر نگرانی مولانا حمید الدین صاحب بی اے۔ شعبان ۳۶ھ سے نکلتا ہے۔ مولوی عبد الواسع صاحب صدر مدرس دار العلوم اس کے مدیر ہین۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے پروفیسرون کی تحقیقات علمی بھی اس رسالہ کے ذریعہ سے شائع ہونگی۔ قیمت سالانہ ۳ے ر۔

رسالۂ اہل السنتہ والجماعۃ، معارف کا مشہور و مقبول سلسلۂ مضامین "اہل السنتہ والجماعۃ" علیحدہ چھپکر تیار ہے۔ جس مین اہل السنتہ والجماعۃ کی لغوی و تاریخی تحقیق اور انکے اصولی عقاید کی تشریح اور سلف صالحین کے مسلکِ حق کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اختلافات عقلی و فلسفی سے حفظ عقاید کا بھی اسلم طریقہ ہے اور یہی وہ راہ ہے جسکی ہدایت کے لیے قرآن کریم کا نزول ہوا لکھائی چھپائی کاغذ متوسط صفحات ۶۰ قیمت ۸ر

رجسٹرڈ نمبر ۷۱۸ ا

مجلد سوم	ماہ ذیحجہ سنہ ۱۳۳۶ھ مطابق اگست سنہ ۱۹۱۸ء	عدد دوم

مضامین